ماہنامہ

المرشد

ذکر کرنے سے بندہ خدائی صفات نہیں پالیتا۔ بندہ بنتا ہے، خدانہیں بنتا۔ (صفحہ نمبر 16)

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

شعبان/رمضان 1436ھ
جون 2015ء

اللہ
رسول
محمد

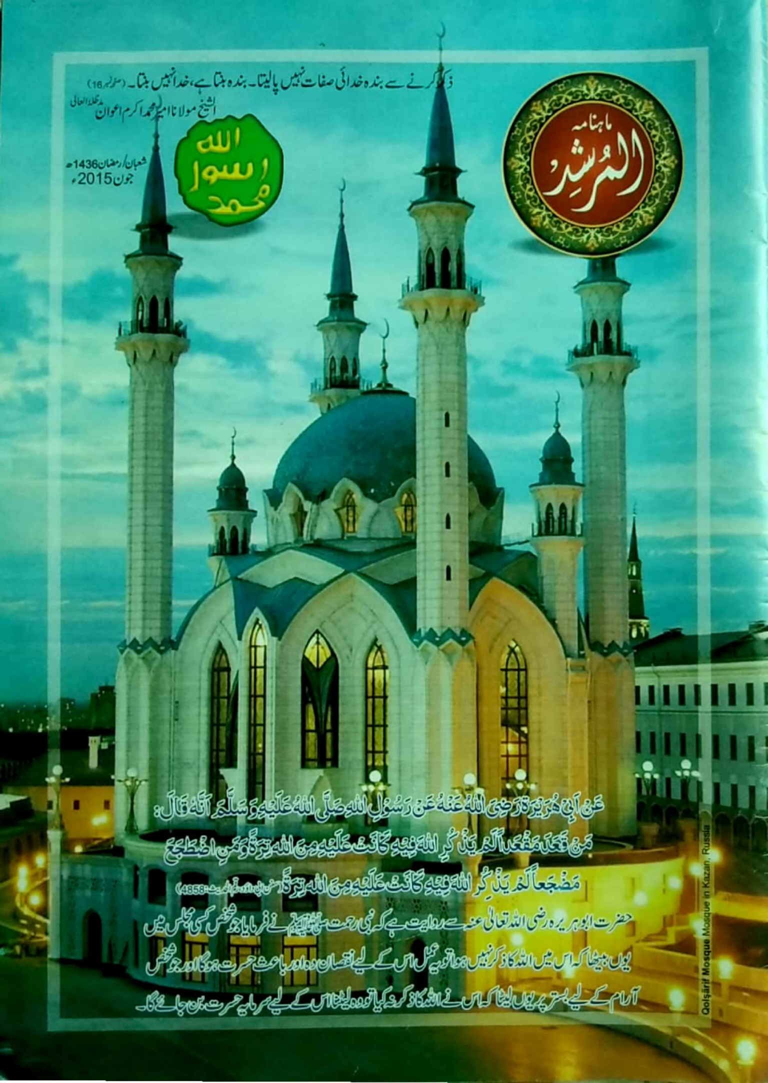

Qolşärif Mosque Mosque in Kazan, Russia

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ:

مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ یَذْکُرِ اللّٰهَ فِیْهِ کَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةً وَمَنِ اضْطَجَعَ

مَضْجَعًا لَمْ یَذْکُرِ اللّٰهَ فِیْهِ کَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةً (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 4858)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مجلس میں یوں بیٹھا کہ اس میں اللہ کا ذکر نہیں ہوا تو یہ عمل اس کے لیے نقصان دہ اور باعث حسرت ہوگا اور جو شخص آرام کے لیے بستر پر یوں لیٹا کہ اس نے اللہ کا ذکر نہ کیا تو وہ لیٹنا اس کے لیے سرمایہ حسرت بن جائے گا۔

تصوف

تصوف کیا ہے

زندگی نعمتوں کا مجموعہ ہے۔ ہر لمحے ہم اَن گنت نعمتوں سے مستفید ہوتے ہیں جن کا شعور بھی نصیب نہیں۔ البتہ یہ لاعلمی ان نعمتوں کا شکرادا نہ کرنے کا جواز نہیں بن سکتی۔ کل روزِ محشر یہ عذر قبول نہ ہوگا۔ اس شکر کا معاملہ تو رب کریم نے بہت ہی آسانی سے حل فرما دیا۔ پہلے تو یہ بتا دیا کہ تم چاہو بھی تو اللہ کی نعمتیں شمار نہیں کر سکتے، لہٰذا انسان کیسے اُن کا کماحقہٗ شکر ادا کر سکتا ہے جب اُن کے شمار پر ہی قاصر ہے۔ پھر فرمایا ایک طریقہ ہے ''فَاذْكُرُونِيٓ'' تم میرا ذکر کرتے رہو اور فرمایا ''وَاشْكُرُوا لِي'' میرا شکر کرو یعنی ذکر کرنا ہی درحقیقت سب سے اعلیٰ ترین درجۂ شکر ہے کہ منعمِ حقیقی کو ہر لحہ یاد کیا جائے۔ نعمتوں کے شمار، اُن نعمتوں کی اہمیت کا شعور، اُن نعمتوں کے فوائد گننے میں تو زندگی گزر جائے گی اور یہ فہرست ختم نہ ہوگی۔ تو عقلمندی اسی میں ہے کہ نعمتوں کے خالق، نعمتوں کے مالک اور عطا کرنے والی ہستی کو دل کی دھڑکن میں بسا لو۔ اس ذکر سے فائدہ کیا ہوگا؟ ''اَذْكُرْكُمْ'' وہ منعمِ حقیقی تم جیسے مُشت غبار کو اپنی عطا سے یاد فرمائے گا۔ تم تو شاید وہ مانگ بھی نہ سکو، وہ نعمت سوچ بھی نہ سکو لیکن وہ تمہیں یاد رکھتے ہوئے اپنی شان کے مطابق نوازے گا۔ تم اپنی ہمت و حوصلے کے مطابق مانگو گے لیکن وہ تمہیں اپنا قرب عطا کر دے گا۔

یہی ذکر حقیقت میں شکر ہے۔ شکر کرنے کے لیے انسانی وجود میں جو آلہ نصب کیا گیا ہے وہ قلب ہے۔ قلب کی صحت وحیات کا مدار ایمان کے بعد ذکر اللہ پر ہے۔ تصوف اسی آلۂ شکر کی جلا کا نام ہے کہ طبیبِ حیات ﷺ کے قلبِ اطہر سے جاری وساری برکات کو اللہ والوں کے ذریعے اپنے قلب میں وصول کیا جائے اور قلب کو فعال بنایا جائے۔ ان برکات کے وصول سے قلب منور ہو کر تمام ذرّاتِ بدن کو بھی ذاکر بنا کر منور کر دیتا ہے۔ ایسا بندہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرتا ہے اور عملی طور پر شکر ادا کرتا ہے۔ کردار کی یہ اصلاح ہی تصوف کا حاصل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

جون 2015ء شعبان / رمضان 1436ھ

جلد نمبر 36 شمارہ نمبر 10

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرقی وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 سٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقہ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
ذکر کا حاصل	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	18
اکرم التفاسیر	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	22
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	28
رمضان کو رخصت نہ کریں	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	34
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	42
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	48
تکبر اور عجب کے علاج کا بیان	ترجمہ: فخر الدین صدیقی	49
طب	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	51
Questions and Answers Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	52
A LIFE ETERNAL CH:24	Abul Ahmadain Translated: Naseem Malik	57

انتخاب جدید پریس لاہور 36309053-042 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور
Ph:042-35180381, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org/info
Ph:0543-562200, FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں اس دائرے میں اگر X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل
تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (البقرہ:50)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی پر عصا مارا پانی اس طرح سے پھٹا کہ بارہ قبیلوں کے لئے بارہ سڑکیں چھوڑ دیں اور خشک زمین نکل آئی یعنی پانی کی نمی تک نہ رہی اور ہر ٹکڑا پانی کے عظیم پہاڑ کی طرح اپنی جگہ کھڑا تھا مائع تھا مگر ٹھوس کی طرح کھڑا تھا اور بنی اسرائیل آرام سے گزر کر دوسرے کنارے پہنچ گئے۔ جب فرعون وہاں پہنچا تو مبہوت ہو گیا، مگر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو مقرر فرمایا۔ جنہوں نے فرعون اور لشکر فرعون سب کو دریا میں ڈال دیا جیسے ہی سارے سمندر میں پہنچ گئے پانی آپس میں مل گیا اور سارا لشکر فرعون سمیت غرق ہو کر تباہ ہو گیا اور لطف یہ کہ یہ سارا تماشا تم خود دیکھ رہے تھے وہ فرعون جس کے نام سے تم کانپتے تھے اور وہ قبطی جو تم پر ظلم کر رہے تھے کس طرح بے بسی اور بے کسی سے تمہارے سامنے غرق ہو رہے تھے۔

صحبت شیخ:

یہی حال شیخ کا ہے کہ دین کی راہ میں جو رکاوٹ ہو اُسے پھاڑ کر راستہ بنا دے اور تعاقب میں جو کبر اور ناشکری کا فرعون ہے اُسے غرق دریا کرے، اور ان چیزوں کو آدمی خود محسوس کرے کہ صحبت شیخ میں آنے سے قبل زندگی کیا تھی اور اب اس میں کیا تبدیلی آئی ہے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (البقرہ:51)

پھر وہ وقت یاد کرو جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتیں طور پر عبادت میں گزارنے کے لیے کہا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ چالیس راتیں طور پر گزاریں، روزہ بھی رکھیں کسی سے نہ ملیں نہ بات کریں تا کہ وہ قوتِ ملکوتی اور وہ استعداد جو اسرارِ الٰہی کو قبول کرتی ہے اللہ کی کتاب کو پالے اور آپ کو تورات عطا ہو۔ یہاں سے چلّہ کی اصل بھی ثابت ہے۔

رُوح میں قُوتِ پرواز کے حصُول کا طریقہ:

اصل بات قلتِ طعام، قلت کلام اور قلت اختلاط مع الانام ہے یہ نفس کو کمزور کرنے کی بہترین دوا ہے اور نفس کی کمزوری کا مطلب رُوح کی قوت ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کی قوت دُوسرے کی کمزوری ہے۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام تو لگ گئے اس انعام کی طلب میں اور یار لوگوں نے ان سے پیچھے سامری کا اتباع اختیار کر لیا۔ جوان کے ساتھ تھا۔ اس نے زیورات گلا کر ایک بچھڑا بنایا جو کسی قسم کی آواز پیدا کرتا تھا۔ روایات میں ملتا ہے کہ جہاں جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم لگتے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تو اُس نے وہاں سے مٹی لے لی جو بچھڑے میں ڈالی تو وہ زندہ ہو گیا۔ مگر بعض حضرات کے مطابق اُس نے بچھڑے میں اس طرح کے سوراخ رکھے ہوئے تھے جو ہوا سے ایک قسم کی آواز پیدا کرتے تھے۔ واللہ اعلم

اداریہ

فنافی الشیخ

بچپن کی یادوں کے نشیمن میں حضرت مولانا اللہ یار خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ گزرا وقت حسین خوابوں کی طرح آج بھی دل ودماغ میں تازہ ہے اور اللہ پاک کا احسان ہے کہ جب سے ہوش سنبھالا زندگی کے تمام نشیب وفراز، تمام تر کمزوریوں کے باوجود کسی نہ کسی طرح، کسی نہ کسی حد تک ذکر اذکار سے تعلق رہا۔ 1994ء سے دارالعرفان کی ذمہ داری سے لے کر 'الاخوان' کی ذمہ داریوں تک اور 2002ء سے لے کر آج سلسلہ عالیہ کی ذمہ داریوں تک، عمومی ذمہ داری سے لے کر نظامتِ سلسلہ عالیہ تک اور نظامت سے قائم مقام شیخ کی ذمہ داری تک زندگی کے لمحات کی بیشی کے باوجود ذکر اذکار سے منور رہے۔ اللہ پاک کا یہ بھی احسان ہے کہ لطیفۂ قلب سے لے کر فنافی الرسول تک اور فنافی الرسولؐ سے اُن منازل تک کہ جن کے بارے میں عرض کرتے ڈرتا بھی ہوں اور اللہ رب العالمین کے حضور ندامت بھی محسوس کرتا ہوں کہ کہاں میں گناہگار اور کہاں بوسیلۂ حضرت مدظلہ العالی اللہ کریم کی عطا! اس سارے سفر میں، لطیفۂ قلب سے سلوک کی اُن بلندیوں تک کہ جن کا میں ذکر نہیں کر سکتا اور پڑھنے پڑھانے سے لے کر مشائخ اور خاص کر حضرت مدظلہ العالی کے بیانات سننے تک، پورے راہِ تصوف میں میں نے کسی منزل کا نام فنافی الشیخ نہ پڑھا، نہ دیکھا اور نہ سنا مگر عجیب بات ہے کہ جو فنافی الشیخ نہیں ہے اسباق تو دور کی بات اُسے لطیفۂ قلب کے راسخ ہونے کا حامل نہیں پایا۔ اس سے بھی عجیب بات یہ دیکھی کہ حصولِ منازلِ سلوک کے بعد بھی کسی سالک کے قلب میں فنافی الشیخ کی کیفیت میں رتی برابر بھی کمی ہوئی تو بلندیاں سلامت نہ رہیں۔

10 مئی 2015ء وہ مبارک دن ہے کہ جس دن اہلِ دیہہ چکڑالہ بڑی محبتوں اور بڑے ہی خلوص سے حضرت مدظلہ العالی کو اپنے اُس مبارک گاؤں میں بیان کے لیے لے گئے اور اُسی ''چٹی مسجد'' میں بیان رکھا گیا کہ جہاں قلزمِ فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی جمعہ کا بیان فرمایا۔ مسافروں کا جوش اور میزبانوں کی خوشی دیدنی تھی اور حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان صاحب مدظلہ العالی کے چہرہ مبارک پر گزرے لمحات کی یادوں کے ساتھ ساتھ کیفیات کا عکس تھا۔

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِیۡكُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ------------- وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ (سورۃ الحجرات، آیت نمبر 6،7)

یہ وہ آیاتِ کریمہ ہیں کہ جن پہ حضرت مدظلہ العالی نے بیان شروع فرمایا۔ وہی گلیاں، وہی جگہ اور وہی مقام جہاں حضرت مدظلہ العالی نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ وقت بسر فرمایا۔ اَب اُن یادوں میں حضرت مدظلہ العالی کی وہ کیفیت جسے نہ غم کا نام دیا جا سکتا تھا نہ الم کا، ہاں ایک درد تھا، در دِل تھا اور حضرت مدظلہ العالی نے عقیدتِ شیخ میں بیان شروع فرمایا۔ سب سے پہلے بعثتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں اللہ کریم کے عظیم احسان کا ذکر فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دارِ دنیا سے پردہ فرمانا اور تعلیمات وکیفیات تک ایک ایک حصے کا رہتی دنیا تک قائم رہنا بیان فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہستیوں سے تبع تابعین کے زمانہ مبارک تک تقسیم فیض اور حصول فیض کے انداز بیان فرمائے اور خصوصی طور پر یہ سنت کہ ہر آنے والا بلا تفریق، بحیثیت مسلمان خواہ مرد ہے یا عورت، جوان ہے یا بوڑھا کیفیات سے فیض یاب ہوتا رہا اور جب خیر القرون کے آخری حصے تک اس سنت مبارک کا بیان فرما چکے تو اہلِ دیہہ کو مخاطب فرمایا کہ اے اہلِ دیہہ خیر القرون سے لے کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ تک بے شمار عظمتوں کے حاملین صوفیا کرام اور اولیاء کرام گزرے ہیں مگر اللہ کریم نے یہ خصوصی احسان میرے شیخ المکرم مولانا اللہ یار خاں رحمۃ اللہ علیہ پہ فرمایا کہ یہ سنت اِن صدیوں کی مدتوں کے بعد پھر زندہ ہوئی کہ ہر آنے والا مرد وزن، جوان وبوڑھا کیفیاتِ قلبی حاصل کرتا گیا۔ اس دور افتادہ گاؤں سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جو محنت شروع فرمائی تھی آج دنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں کہ جہاں یہ کیفیات نہ تقسیم ہو رہی ہوں۔ رہ وہی گیا جس کا اپنا تعلق اللہ رب العالمین سے کمزور ہوا ورنہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد کا پنہارا (پانی بھرنے والا) بھی فنافی الرسول تھا۔ (بقیہ صفحہ نمبر 17 پر)

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔

ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقہ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلا حَوْلَ وَلا قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○ اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ○ أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ پھر ذکر شروع کردیں طریقہ نیچے درج ہے۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

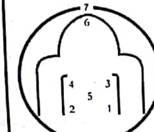

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے: کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جارہا ہو۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

الٰہی بحرمتِ آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داودؒ طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلاّم مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمۂ زمن وخاتمۂ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْن

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیمابؔ اور فقیرؔ۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

- گردِ سفر
- متاعِ فقیر
- آس جزیرہ
- کون سی ایسی بات ہوئی ہے
- نشانِ منزل
- سوچ سمندر
- دیدہ تر

درج ذیل کلام ''آس جزیرہ'' سے لیا گیا ہے

ابدی بہاریں

بے خودی، دیوانگی ہر دل کی قسمت میں کہاں
دل جلوں کی ہے الگ دنیا الگ ان کا جہاں

موت کیا ہے؟ زندگی کیسی، کہاں کے رات دن!
موسموں کے آنے جانے کی خبر کب ہے وہاں

کب؟ کہاں برسا ہے بادل؟ کس جگہ بجلی گری؟
کس جگہ پھوٹی ہے کونپل؟ جل گیا خرمن کہاں؟

سب سے بیگانے، الگ، بیٹھے ہیں اپنے حال میں
مست ہیں یادوں میں ان کی ہوں بہاریں یا خزاں

ہم نے بھی دی تھی خبر اک بے خبر کو کل عجب
لٹ گیا تیرا چمن بیتا بہاروں کا سماں

ہم تو سمجھے تھے وہ روئے گا وہ تڑپے گا بہت
ہوگئے حیران ہم بھی، کھولی جب اس نے زباں

آنکھ میری لے کے دیکھو دیکھنا چاہو اگر
گلشن محبوب کی نوری بہاروں کا سماں

تم اگر سیمابؔ اپنی آنکھ سے دیکھو گے تب
ہر طرف تم کو نظر آئے گی تصویر خزاں

اقوالِ شیخ

1۔خلوص کی نشانی، بندے کے فیصلے کی مضبوطی ہے۔یہ فیصلہ اس کا اپنا ہوتا ہے۔

2۔اہلِ حق کا شعار، سب کے ساتھ رہنا نہیں بلکہ حق پہ رہنا ہے۔

3۔اس لیے گناہ سے ڈرنا چاہیے کہ یہ اللہ سے بہت دور لے جاتا ہے۔یہ دوری عقائد پر اثر انداز ہوتی ہے اور عقیدہ خراب ہو جاتا ہے۔

4۔اسبابِ دنیا کو اللہ کے حکم کے مطابق اختیار کرنا اللہ کی عبادت ہے۔

5۔نفع کی امید پر یا نقصان کے خوف سے کسی سے ڈرنا یا اظہار عجز ہی عبادت کہلاتا ہے۔

6۔استغفار اور توبہ، گناہ سے بچنے اور نیکی پر عمل پیرا ہونے سے دنیا کی بہترین زندگی نصیب ہوتی ہے اور آخرت کے بہترین انعامات۔

7۔اتباعِ شریعت سے محرومی کا ہر قدم فساد فی الارض ہے۔

8۔جس کی زندگی اطاعتِ الٰہی میں گذرے اللہ کریم فرماتے ہیں وہ خوبصورت زندگی ہے۔

9۔گھروں میں جھگڑے کی وجہ یہ ہے کہ بیویاں، خاوندوں کو ماتحت کرنا چاہتی ہیں۔حکومت کرنا چاہتی ہیں کہ جو وہ کہیں، ویسا ہو جائے۔

10۔بیوی کے پاس بڑا خوبصورت طریقہ ہے، خود پارسا ہو، خوش اخلاقی سے پیش آئے باوضو ہو کر کھانا پکائے، پاکیزہ کھانا کھلائے اور اتنی خدمت کرے کہ خاوند اس کے کہنے پہ چل پڑے۔

11۔اسلام دین آسان ہے، اسے مشکل سمجھا جاتا ہے جبکہ مشکل کام صرف ایک ہے، وہ یہ کہ بندہ دل کی گہرائی سے اور خلوص سے یہ فیصلہ کر لے کہ اسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنی ہے تو اللہ اسے اطاعت کی توفیق دے دیتے ہیں۔

12۔سود میں وہ نظام پرورش پاتا ہے جس میں مجبور و بے بس، اور غریب ہو جاتا ہے اور مال حرام جمع کرنے والا اور امیر ہو جاتا ہے اور دولت امیروں کے ہاں مرتکز ہو جاتی ہے اور یہ چیز جہنم کے راستے پر لے جاتی ہے۔

13۔انسانی مزاج درحقیقت غذا ہی سے تعمیر پاتا ہے حرام غذا کی ایک نحوست اور کیفیت ہوتی ہے جو اللہ سے دور کرتی ہے اور شیطانی القاء کو قبول کرتی ہے اور پھر انسان اس کے نقش قدم پر چل نکلتا ہے۔

14۔جب تک حضور ﷺ سے قلبی وابستگی نہ ہو جائے احکام شریعت بوجھ بنے رہتے ہیں اور جوں جوں معرفت پیغمبر ﷺ کھلتی جائے گی اتنی ہی خلوص فی الدین کی کیفیت دل پر وارد ہوتی جائے گی۔

ماہانہ اجتماع

5 اپریل 2015ء

ذکر کا حاصل

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ O مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ۔

آل عمران کی ان آیاتِ مبارکہ نے جہاں ذکرِ الٰہی کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے وہاں ذکر کا مقصد بھی بیان فرمایا ہے۔ انسانی مزاج بڑا عجیب ہے، دنیا چونکہ سامنے بھی ہے، ہم محسوس بھی کر رہے ہیں، اس کے دکھ سکھ بھگت رہے ہیں تو اس کے ہونے کا ہمیں احساس ہے۔ دنیا کو دنیا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قریب ہے، سامنے ہے۔ اس پر تو ہمیں کامل یقین ہے، ایک ایک لقمہ کھاتے ہوئے بھی سوچتے ہیں کہ اس سے کہیں صحت خراب نہ ہو جائے، پانی تک دیکھ کر پیتے ہیں کہ صاف ہو ہم کہیں بیمار نہ ہو جائیں۔ کاروبار کرتے ہیں تو بڑی باریکی سے دیکھتے ہیں کہ کہیں نقصان نہ ہو جائے لیکن آخرت، مادی نگاہوں کے سامنے نہیں ہے۔ آخرت کی خبر اللہ کے رسولوں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے اور اللہ کریم نے یہی امتحان رکھا ہے کہ یہ میرے انبیاء کی بات پہ یقین کر کے جس طرح دنیا میں نقصان سے بچنا چاہتے ہیں کیا یہ لوگ اسی طرح آخرت کے نقصان سے بھی بچنا چاہتے ہیں۔ انبیاءؑ کی دعوت تو پہنچ گئی، نبی کریم ﷺ کا پیغام، اس کائناتِ بسیط میں ہر آن نشر ہو رہا ہے۔ اگر آپ غور فرمائیں تو رات دن کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جس لمحے میں کہیں نہ کہیں اذان نہ ہو رہی ہو۔ پوری دنیا پہ جیسے جیسے سورج چلتا رہتا ہے، اوقات بدلتے رہتے ہیں اور اللہ کے نبی ﷺ کا پیغام پہنچتا رہتا ہے۔ اتنے تسلسل سے پہنچنے والا پیغام ہمیں اپنی طرف متوجہ کیوں نہیں کر پاتا؟ دنیا کے لیے تو کوئی ہمیں اٹھانے جگانے نہیں آتا ہم خود محنت کرتے ہیں، کرنا چاہتے ہیں، نقصان سے، بیماری سے، ہر تکلیف سے بچنا چاہتے ہیں، آخرت سے کیوں غافل ہیں؟ قرآن کریم فرماتا ہے کہ لوگوں کے دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے۔ انبیاءؑ کا پیغام دل سنتا ہے، دنیا کا کاروبار دماغ دیکھتا ہے۔ دنیا مادی ہے، دماغ بھی مادی ہے اور دماغ اتنا بڑا کمپیوٹر ہے کہ آج کے سائنسدان کہتے ہیں کہ اگر بہت بڑھا کر بات کریں اور بہت بڑی ڈینگ ماریں تو ہم یہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے دماغ کا دس فیصد استعمال کر لیا ہے۔ دماغ اتنا بڑا کمپیوٹر ہے ابھی

تک اس ساری مادی، ترقی کے باوجود نوے فیصد کا خزانہ کسی کو ملا ہی نہیں۔ دنیا مادی ہے اور دماغ مادی ہے اس لیے دنیا کی بات بندہ ازخود سمجھ لیتا ہے لیکن آخرت کی بات دل ہی سمجھ سکتا ہے۔ قرآن کریم، آقائے نامدار ﷺ کے قلبِ اطہر پہ نازل ہوا۔ ارشاد ہے عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (الشعراء: 194) آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پہ نازل ہوا حالانکہ حضور ﷺ کا دماغ عالی بھی کائنات میں منفرد ہے، کوئی اس کی مثال کائنات میں اللہ نے پیدا نہیں فرمائی۔ آخرت کو قلب دیکھتا ہے اس کے معاملات کا قلب کو یقین آنا چاہیے۔ اتنے تسلسل سے پہنچنے والے پیغام کو آپ دیکھیں۔ اور ماحول کو دیکھیں اگر غور فرمائیں تو دیکھیں گے کہ ہمارے ٹی وی اشتہارات میں نئی نسل کی تربیت ہو رہی ہوتی ہے، غیر ارادی طور پر بچے اثرات قبول کر رہے ہوتے ہیں۔ اس قسم کے اشتہار بنائے جاتے ہیں کہ بچے اس طرف ڈھل جائیں اور وہ اس طرف ڈھل جاتے ہیں۔ اس سب کے باوجود اتنا پیغام دنیا کا نہیں پہنچتا جتنا آخرت کا پہنچ رہا ہے، خصوصاً حضور ﷺ کی بعثت کے بعد کوئی لمحہ ایسا نہیں جب اللہ کی طرف بلایا نہ جا رہا ہو۔ تو اس پر ہم توجہ کیوں نہیں کرتے؟ یہ غیر ارادی طور پر اشتہارات اتنی کثرت سے تو نہیں ہوتے جتنی کثرت سے اذانیں ہوتی ہیں۔ اس طرف ہم کیوں نہیں جاتے؟ قرآن کریم اس مرض کی نشاندہی کرتا ہے۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (المطففین: 14) یہ اس لیے نہیں جا سکتے اور نہیں جائیں گے کہ ان کے دل زنگ خوردہ ہو گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لکل شیئی صقالۃ --- ہر چیز کی پالش ہوتی ہے زنگ لگ جائے تو پالش کرو، زیور پرانا ہو جائے پالش کرو تو نیا ہو جاتا ہے، لوہے تک کو زنگ لگ جائے تو اتارا جا سکتا ہے۔ وصقالہ القلوب ذکر اللہ او کما قال رسول اللہ ﷺ (بیہقی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ دلوں کا زنگ اتارنے کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔ وہ زنگ اتر جائے تو پھر سمجھ آنے لگ جاتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ایک ارشاد ہے انہوں نے فرمایا کہ اگر آج قیامت قائم ہو جائے تو جو کچھ سامنے آئے گا مجھے کچھ حیرت نہیں ہوگی یعنی یقین کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ قیامت میں ہونا ہے اس پر یقین ہے، کوئی چیز عجیب نہیں لگے گی۔ ایک مرتبہ ہے یقین کا! جیسے ہمیں دنیا کے بارے خبر ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی میں سب چھپ جاتا ہے اور صبح جب اٹھتے ہیں تو کوئی چیز نئی نہیں لگتی ہمیں پتہ ہوتا ہے فلاں جگہ فلاں چیز ہے، فلاں فلاں جگہ درخت ہے، فلاں جگہ پہاڑ ہے، عجیب نہیں لگتی۔ تو فرمایا کہ قیامت اگر قائم ہو جائے تو مجھے کوئی چیز عجیب نہیں لگے گی۔ اس آیۂ کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (آل عمران: 190)

زمینوں اور آسمانوں کی تخلیق میں اگر کوئی تھوڑا سا غور کرے تو حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ یہ کیسی دنیا ہے کہ آسمان ایک گنبد بنا ہوا ہے، اس کے نیچے کوئی ستون ہے، نہ کوئی دیوار نہ کوئی (Support) ہے اور یہ اپنی جگہ پر قائم ہے، کب سے قائم ہے، کب تک رہے گا، اس میں کتنی اور کیسی کیسی مخلوق ہے، کیا کیا کرتی ہے، سب اللہ کو معلوم ہے۔ چلو آسمان اگر ہماری رسائی سے بالاتر ہیں تو زمین پر تو ہم بستے ہیں۔ یہ زمین کیا عجیب شئے ہے ایک سوئی سے کھودنے لگو تو کھودتے چلے جاتے ہیں۔ کسی چیز سے ادھیڑنے لگو تو ادھڑتی چلی جاتی ہے، مضبوط اتنی کہ اسی پر کئی کئی منزلہ بلکہ اب تو دو دو سو، تین تین سو منزلہ عمارتیں بن گئی ہیں، انہیں اٹھا کر کھڑی ہے۔ کتنی تخلیق اس سے ہر لمحہ نمودار ہو رہی ہے گھاس کے کتنے تنکے اگتے ہیں، درختوں کے پتے کتنے اُگتے ہیں، فصلیں کتنی اُگتی ہیں۔ کوئی گن نہیں سکتا۔ ہر چیز فنا ہو کر پھر اسی میں مل جاتی ہے، اسے بھی جذب کر لیتی ہے اور پھر جو نئے پیدا ہوتے ہیں انہیں بھی کر لیتی ہے۔ کتنے انسان اس کی مٹی سے بنے ہیں، اسی کی مٹی کا جزو ہو گئے، اسے کوئی فرق نہیں پڑا۔ وہ زمین پھیلی نہ سکڑی، نہ بڑی ہوئی نہ چھوٹی ہوئی۔ ایک ایک ذرّے میں

جہان ہے۔ ذرہ خود تخلیق ہے اس میں آگے تخلیق کا مادہ موجود ہے۔ انہی خاک کے ذرات سے جانور بن رہے ہیں، انہی سے پرندے بن رہے ہیں، انہی سے انسان بن رہے ہیں، انہی سے حیوان بن رہے ہیں، وہی پھر اسی مٹی میں مل رہے ہیں۔ اس کے سائز میں کوئی فرق پڑتا ہے نہ حجم پہ۔ اس کی وہ صفت ختم ہونے میں نہیں آتی۔ ایک لمحے میں کھربوں سے زیادہ لاتعداد مخلوق پیدا ہوتی ہے جو اسی مٹی سے وجود پذیر ہوتی ہے تو مٹی کم ہوجانی چاہیے، شاید اتنی یا اس سے زیادہ اس مٹی میں ملتی ہے کچھ بڑھ جانی چاہیے، اس پہ کوئی فرق نہیں پڑتا، بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے۔ رات اور دن کے منازل مقرر ہیں، ایک ایک لمحہ مقرر ہے، پتا نہیں کب سے چل رہا ہے کب تک چلتا رہے گا، اس کی رفتار میں فرق آتا ہے نہ اس کے فاصلوں میں کوئی فرق آتا ہے۔ اپنے مقررہ راستے پہ سورج چاند ستارے ہر چیز رواں دواں ہے۔ یہ اتنا مربوط اور مضبوط ناقابلِ شکست نظام ہے، یہ اپنے آپ تو نہیں بن گیا۔ کسی نے اسے بنایا ہے اور بنا کر چھوڑ نہیں دیا، اسے ہر لمحہ چلا رہا ہے۔ اگر ایک لمحہ بھی وہ چھوڑ دے تو یہ چیزیں تو شاید آپس میں ٹکرا کے ختم ہوجائیں۔ سائنسدان کہتے ہیں اس جو ساوی میں بے شمار ستارے، سیارے گردش کر رہے ہیں، زمین سے کروڑوں گنا بڑے سیارے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر ایک مٹکے (ڈرم) میں کچھ برتن رکھ لو اسے ہلاتے رہو ہلاتے رہو بالآخر وہ آپس میں ٹکرا کے چور چور ہوجائیں گے تو یہاں ہر چیز حرکت میں ہے۔ اللہ کریم نے ان کا توازن اور فاصلے قائم رکھے ہوئے ہیں، اپنی حد کے اندر ہر چیز حرکت کر رہی ہے لیکن اللہ کریم جب وہ حدود ہٹا دیں گے تو یہ ٹکرا کر پاش پاش ہوجائیں گے۔ جسے اسلام میں قیامت کہتے ہیں اسے سائنسدان اس طرح سے مانتے ہیں کہ بالآخر ہر چیز ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجائے گی۔ تو فرمایا، آسمانوں کے بنانے، زمین کی بناوٹ، تخلیق رات دن کے اختلاف میں ہر اس بندے کے لیے جس میں کوئی شعور ہے، بے پناہ دلائل ہیں، عظمتِ الٰہی پہ ہر ذرہ گواہ ہے۔ فرمایا: الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران: 191) یہاں فرمایا: لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (آل عمران: 190) صاحب خرد صاحب دانش سمجھدار لوگوں کے لیے اس میں بے پناہ دلائل ہیں۔ صاحب خرد کون ہیں؟

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ

(آل عمران: 191) اس کائنات میں دانشور کہیں، عقل مند کہیں، صاحب خرد کہیں تو انہیں کہیں گے جو کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے ہر حال میں ذکر سوائے ذکرِ قلبی کے ممکن نہیں ہے۔ آپ جو عمل، شریعت کے مطابق کرتے ہیں وہ عملی ذکر ہے، خود ایمان لانا ذکر ہے، عمل ذکر ہے، زبانی جتنی تسبیحات پڑھتے ہیں، زبانی بھلی باتیں کرتے ہیں ہر اچھی بات ذکر الٰہی ہے چونکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہوتی ہے نبی ﷺ کے حکم کے دائرے کے اندر ہوتی ہے تو وہ بھی ذکر ہے۔ لیکن کام بھی رک جاتا ہے، عمل بھی چھوٹ جاتا ہے، بندہ سو جاتا ہے کبھی کوئی بیہوش ہوجاتا ہے، زبان بھی رک جاتی ہے۔

یہاں اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ان کے ذکر میں تو انقطاع آتا ہی نہیں، رکتا ہی نہیں۔ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران: 191) آدمی کی تین ہی حالتیں ہوتی ہیں وہ کام کر رہا ہو تو کھڑا ہوتا ہے۔ ستانے کے لیے بیٹھ جاتا ہے یا آرام کے لیے لیٹ جاتا ہے یا سو جاتا ہے تو فرمایا، کسی حال میں بھی ان کا ذکر بند نہیں ہوتا، وہ اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ تو اس سے صرف ذکر قلبی ہی مراد لیا جاسکتا ہے۔ جب وہ اتنا اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے قلوب روشن ہوتے ہیں اور پھر جو نشانیاں ہیں زمینوں آسمانوں کی تخلیق میں، شب و روز کی آمد و شد میں اور کائنات کے ذرے ذرے میں ان کی خبر تب ہوتی ہے جب دل زنگ سے صاف ہوتا ہے۔ یعنی مقصدِ ذکر کیا ہے؟ پھر ان میں تفکر پیدا ہوتا ہے۔ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران: 191) جب ہر لمحہ ذاکر ہوجاتا ہے تو پھر

جا کر ایک قسم کی سوچ پیدا ہوتی ہے جسے قرآن نے تفکر کہا ہے۔ یہ خیال آتا ہے کہ یہ اتنی وسیع اور مربوط کائنات ، ایک ایک ذرہ دوسرے سے جڑا ہوا ہے اور اسے اللہ کریم چلا رہے ہیں۔ یہ اتنا وسیع نظام ہے بلا مقصد تو نہیں، اس کا کوئی تو نتیجہ ہوگا پھر وہ کہہ اٹھتا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران: 191) اے میرے پروردگار، اے ہمارے پالنہار تو نے یہ فضول پیدا نہیں کیا، یہ ضرور اپنے منطقی نتیجے تک پہنچے گا۔ سُبْحٰنَكَ۔۔۔ اے اللہ ! تو پاک ہے، ہر کمزوری سے پاک ہے، ہر کمی سے پاک ہے، تو بہت عظیم ہے۔ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران: 191) برائی کا نتیجہ بالآخر جہنم ہے۔ اپنے رحم سے، اپنے کرم سے، ہمیں اس سے بچا۔ یعنی اس آیہ کریمہ نے ذکر کی تلقین بھی کی، مقصدِ ذکر بھی ارشاد فرمایا۔

یہاں میں آپ کا تھوڑا سا وقت لوں گا۔ میرا ارادہ آج تقریر کا نہیں ہے، میں آپ سے دوستانہ ماحول میں باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ بتانا چاہتا ہوں کہ ذکر اللہ کا مقصد وہ نہیں ہے جو آپ نے سمجھ رکھا ہے۔ ساتھیوں کی شکایتیں آتی ہیں، ای میل میں بھی، خطوط میں بھی۔ سب کو اگر اکٹھا کیا جائے تو ما حصل یہ ہوتا ہے کہ میں ذکر بھی کرتا ہوں اور مجھے بخار ہوگیا یا بیمار ہوگیا، طبیعت خراب ہوگئی، ذکر بھی کرتا ہوں اور میرا کاروبار نہیں چل رہا، ذکر بھی کرتا ہوں بھائی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، اس کا پاؤں ٹوٹ گیا یہ ساری چیزیں ذکر کے مقاصد میں تو نہیں ہیں۔ ابھی رات ایک ای۔ میل تھی کہ بھائی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اس کا علاج نہیں ہو رہا۔ سود کا قرض ہی نہیں اتر رہا تو اس کا علاج کیا کریں۔ میں نے اسے دو لفظوں میں جواب لکھا کہ میرے بھائی! آپ نے سود لے رکھا ہے، آپ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ پہ ہیں تو آپ اپنی ہستی دیکھ لیجیے اور اللہ کی شان اور اللہ کا مقام دیکھ لیجیے تو چوٹیں تو لگیں گی، مار توڑے گی، آپ نے کہاں جنگ جوڑ رکھی ہے؟ کہتے ہیں ذکر چھوٹ رہا ہے۔ میں نے کہا جی ذکر تو چھوٹے گا، سود کھائیں گے تو ذکر کیسے ہوگا، دو میں سے ایک چیز چھوٹے گی یا سود چھوٹ جائے گا یا ذکر چھوٹ جائے گا، دونوں اکٹھے تو نہیں رہ سکتے۔ تو ہم نے اسے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ جو محنت ہے یہ بھی دنیا ہی کے لیے ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ ذکر اللہ کے لیے، مجاہدہ اللہ کی رضا کے لیے ہے اور اللہ کی صفات پہ غور کرنے کے لیے ہے۔ کیونکہ اللہ کی ذات ہمارے غور وفکر سے بالاتر ہے، وہ خالق ہے، ہمارا علم، ہمارا دماغ، ہماری صلاحیتیں مخلوق ہیں۔ اب ظاہر ہے خالق، مخلوق کے دائرے میں تو نہیں سمائے گا۔ مخلوق کے دائرے میں جو چیز سمائے گی وہ بھی مخلوق ہی ہوگی۔ اس کی صفات پہ غور کیا جاسکتا ہے، اس کی کائنات پہ غور کیا جاسکتا ہے، اس کی رحمت کے اندازے کیے جاسکتے ہیں، اس کے کرم کو دیکھا جاسکتا ہے، اس کے غضب کو بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ کس نے کیا کیا، اس کا کیا نتیجہ ملا۔ یہی ساری باتیں قرآن نے مثال کے طور پر بتائی ہیں۔

اب جب آپ ذکر کرتے ہیں تو اس سے قلب کا زنگ اترتا ہے، قلب صاف ہوتا ہے، آئینہ دل چمک اٹھتا ہے۔ جب وہ چمکتا ہے تو پھر اس میں مختلف صفات نظر آتی ہیں، ان کا پرتو نظر آتا ہے۔ جب وہ پرتوِ جمال نظر آتا ہے تو سر سجدے میں جھک جاتا ہے۔ عملی زندگی، سراپا اطاعت بن جاتی ہے۔ بندہ ہر لمحے، ہر آن اللہ کا پیغام سن کر اسے تسلیم کرتا ہوا اس کی بارگاہ میں سربسجود ہوتا ہے۔ اب اس کا نتیجہ یہ نہیں ہے کہ ہمارا کاروبار چل اٹھے، ہماری صحت ٹھیک ہوجائے۔ آپ زہر کھاتے رہیں اور ذکر کرتے رہیں تو کیا صحت بنتی رہے گی؟ نہیں بھئی زہر کھاؤ گے تو مرو گے ناں! قدرتی نتیجہ ہے اس کا۔

تو ذکر کا مقصد سمجھ لیجیے کہ یہ ساری محنت معرفتِ الٰہی کے لیے ہے، عظمتِ الٰہی کو پہچاننے کے لیے ہے۔ جب آئینہ دل صاف ہوتا ہے تو بعض وہ چیزیں جو مادی نگاہ سے نظر نہیں آتیں، دل کی نگاہ سے نظر آنے لگ جاتی ہیں جسے اصطلاح میں کشف کہتے ہیں۔ کشف، اللہ کا انعام ہے، اللہ کی نعمت ہے اور از قسم ثمرات یعنی

پھل ہے۔ بندہ فصل بو سکتا ہے پھل اس پہ اللہ کریم لگاتے ہیں۔ چاہے لگائیں چاہے نہ لگائیں۔ زیادہ لگائیں یا تھوڑا لگائیں، اس میں بندے کو اختیار نہیں ہوتا، بندہ محنت کرتا ہے پھل اس پر اللہ کریم لگاتے ہیں۔ وہ کسی کو کشف دیں، مشاہدہ دیں ان کی عطا ہے اور بہت بڑا انعام ہے اللہ کا کہ قلب میں ایسی روشنی دے دے کہ اسے وہ چیزیں جو مادی آنکھوں سے نظر نہیں آتیں وہ نظر آئیں اور وہ مزید عظمتِ الٰہی کا قائل ہو جائے لیکن عجیب بات ہے اگر کوئی اس بات کے لیے محنت کر رہا ہے، رات رات بھر جاگتا ہے، چلّے کاٹتا ہے اور مجاہدہ کرتا ہے کہ مجھے کشف ہو جائے تو وہ شرک کر رہا ہے۔ وہ مشرک ہے، اس کا مقصد حصولِ کشف ہے۔ حالانکہ مقصد حصول رضائے الٰہی ہونا چاہیے اس نے اللہ کے ساتھ کشف کو شامل کر لیا تو یہ اس نے شرک کر لیا، اس کا ذکر کرنا بھی باقی نہیں رہے گا۔ یہی تو نزاکتیں ہیں۔ یہ اتنا نازک معاملہ ہے کہ از خود اللہ عطا کرے تو اس کا انعام ہے۔ آپ اس کے لیے محنت کریں تو آپ اللہ کی بارگاہ سے دور ہوں گے کیونکہ غیر اللہ کی طلب شرک ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے فرمایا۔ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ ---(الصّٰفّٰت: 102) بیٹا میں نے خواب دیکھا ہے۔ ان کی عمر پانچ سات سال ہوگی چونکہ قرآن کریم نے سال نہیں بتائے یہ بتایا ہے کہ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ---(الصّٰفّٰت: 102) جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے کے قابل ہو گئے۔ اب چھوٹا سا بچہ ہے، آپؑ اسے بتا رہے ہیں: اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ--- میں نے خواب میں دیکھا ہے اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ--- کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ جواب سنیے، فرماتے ہیں، يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ---آپ کو جو حکم ہوا ہے کر گزریے۔ والد کہہ رہے ہیں، میں نے خواب دیکھا ہے، بیٹا فرما رہا ہے، آپ کا خواب بھی تو وحی الٰہی ہے، آپؑ کو حکم ہوا ہے تو کر گزریے۔ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ--- مجھے بھی آپ صابر پائیں گے، میں بھی اللہ کا نبیؑ ہوں۔ تو نبیؑ کا خواب بھی وحیِ الٰہی ہوتا ہے۔ کشف تو پھر خواب سے طاقتور ہوا، وہ بھی وحیِ الٰہی ہے لیکن ماوشما کا کشف محتاج ہے نبی ﷺ کے ارشاد کا، آپ ﷺ کی شریعت کا۔ علماء لکھتے ہیں کہ کشف صوفی کو بھی صحیح ہوتا ہے، کشف غلط نہیں ہوتا لیکن درمیان میں شیطان کچھ ملا کر غلط کرا دیتا ہے۔ نبیؑ کے کشف میں شیطان مداخلت نہیں کر سکتا، نبیؑ جو دیکھتا ہے، جو سنتا ہے حق ہوتا ہے۔ اسے حفاظتِ الٰہیہ حاصل ہوتی ہے، باقی لوگ کبھی صحیح دیکھ نہیں پاتے، کبھی شیطان مداخلت کر کے غلط کر دیتا ہے۔

للذا پہلی بات تو یہ کہ جو کشف، شریعت کے خلاف ہو وہ لائقِ اعتناء ہی نہیں، اسے پھینک دو، وہ غلط ہے، ختم ہو گیا۔ دوسری بات ولی اللہ کو کشف ہوتا ہے، آپ کو اس کا کشف ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ منصب نبیؑ کا ہے کہ نبی کو جو کشف ہوتا ہے وہ ساری امت کے لیے ماننا ضروری ہوتا ہے۔ اگر ولی کے کشف کو ماننا شروع کر دو تو گویا آپ نے اسے نبیؑ سمجھ لیا یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ کی پناہ! یہ میں ان احباب کے لیے عرض کر رہا ہوں جو روز دکھڑا لے کر کسی ساتھی کے پاس پہنچے ہوتے ہیں، ذرا کشف کر کے بتائیں، یہ کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بندے پر آپ کو یقین ہے کہ اس کے کشف میں میرا مسئلہ آجائے گا اسے آپ نبیؑ سمجھتے ہیں، اور غیر نبی کو نبی سمجھنا کفر ہے۔ یہ باتیں ذرا سمجھ کر ذہن نشین کر لیجیے، اسے محض تقریر نہ سمجھیں۔ تقریر تو ہم انجوائے کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، تقریر کا اور ماحول ہوتا ہے، یہ آپس کی باتیں ہیں۔ ایک تماشہ اور بھی ہے۔ کوئی بیمار ہو جاتا ہے تو ساتھیوں کے پاس جاتا ہے۔ اللہ نے نہیں بصیرت دی ہے، وہ کہتے ہیں یار تو بیمار بھی ہے تجھ پر کچھ اثرات بھی ہیں۔

اثرات کیا ہوتے ہیں؟ ایک تو اصول ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ شیطان پیدا ہوتا ہے جو ساری عمر اسی کے ساتھ رہتا ہے۔ یہ جو اہلِ مغرب روحیں بلاتے ہیں کہ ایک میڈیم بنایا روح آگئی۔ تو یاد رکھیں! روحیں واپس نہیں

آتیں۔ جو روح دنیا سے چلی گئی وہ برزخ میں چلی گئی، وہاں سے اسے کوئی نہیں بلاسکتا۔ اگر جنتی ہے تو اس کا احترام اتنا ہے کہ اسے کوئی چھیڑ نہیں سکتا، دوزخی ہے تو ایسی حوالات میں ہے کہ جہاں سے اسے کوئی نکال نہیں سکتا۔ دو میں سے کسی ایک حال میں تو ہوگا، تو پھر یہ کون ہے؟ یہ وہ شیطان ہے جو اس شخص کے ساتھ رہتا ہے۔ اسی جیسی اس کی آواز ہوتی ہے، ویسا ہی حلیہ ہوتا ہے اس کی زندگی کے سارے معاملات سے واقف ہوتا ہے۔ شیطان ہزاروں برس جیتے ہیں تو وہ شیاطین آکر باتیں کرتے ہیں، روحیں واپس نہیں آتیں۔ اب ایک شیطان تو وہ ہے جس کے بارے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ شیطان پیدا ہوتا ہے تو آپ ﷺ سے عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ ﷺ تو کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی؟ فرمایا، ہاں! میرے ساتھ بھی، لیکن جو میرے ساتھ پیدا ہوا وہ مسلمان ہوگیا۔ سوچئے ہم بھی کہتے ہیں ہم اپنے نبی ﷺ کے ساتھ ہیں لیکن نبی کے ساتھ جو شیطان آیا وہ بھی مسلمان ہوگیا، ہم ساتھ ہوتے تو ہم بھی مسلمان تو ہوتے!

لکڑی کا ایک ستون حنانہ جس سے ٹیک لگا کر حسور ﷺ خطبہ دیتے تھے۔ جب منبر بن گیا اور آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو وہ چیخ چیخ کر رویا، بلک بلک کر رویا، خشک لکڑی میں بھی شعور آگیا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم ساتھ ہیں تو ہم میں تو کوئی فرق نہیں پڑتا! یا پھر ہمیں حضور اکرم ﷺ کا ساتھ نصیب نہیں ہے محض خوش فہمی ہے یا دعویٰ ہے۔ بہر حال وہ موضوع الگ ہے۔

تو ایک شیطان ہر بندے کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب لوگ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں تو اللہ فرماتا ہے میں ان پر اور شیطان مقرر کردیتا ہوں جو پھر ان کے ساتھ رہتا ہے، انہیں برائی میں آگے آگے لیے جاتا ہے پھر جب قیامت ہوگی تو کہیں گے کاش! تیرے اور میرے درمیان، بُعد المشرقین ہوتا، دنیا بھر کے فاصلے کے برابر تُو مجھ سے دور ہوتا۔ اب جس پر کئی کئی شیطان مقرر ہیں، یار تم مشاہدہ کروگے تو کچھ اس میں خباثت اور ظلمت نظر آئے گی تو وہ آپ کو کہیں گے آپ پر "کچھ اور" اثرات بھی ہیں۔ "کچھ اور" جادو وغیرہ نہیں ہے، یہ "کچھ اور" جو ہے یہ اس پر شیاطین مسلط ہیں۔ تاریکی نظر آئے گی، نحوست نظر آئے گی، ظلمت نظر آئے گی۔

پھر مجھے خط لکھتے ہیں کہ میں فلاں ساتھی کے پاس گیا تھا انہوں نے کہا، تم بیمار بھی ہو لیکن تم پر کچھ اثرات ہیں۔ تو وہ اثرات توبہ کرنے سے مٹ جائیں گے، بھائی ان کے لیے کسی دم درود کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی دم والے کے پاس، کسی تعویذوں والے کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، اندر جھانکنے کی ضرورت ہے۔ یہ جو ہر بندہ کہتا ہے ناں کہ مجھ پہ جادو ہوگیا، یہ جادو خود اس نے اپنے اوپر کر رکھا ہے۔ ایک تو شیطان جو ساتھ پیدا ہوا وہ سرکش ہوجاتا ہے اور جب ہم برائی کرتے ہیں تو اللہ کریم مزید شیطان مسلط کردیتے ہیں کہ تُو اُدھر جانا چاہتا ہے تو یہ لے۔ تو جس پر کئی کئی شیطان مسلط ہوتے ہیں تو اسے اور کسی جادو کی کیا ضرورت ہے؟

جادو کیا ہے؟ یہی ہے کہ کوئی عملیات کرکے کچھ شیطانی طاقتیں یا شیطانی قوتیں اس پر مسلط کردیتے ہیں، اس کا انتظام تو ہم نے خود کرلیا۔ کسی کو جادو کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ یہ جو گھر گھر جھگڑا ہے کہ جادو ہوگیا، مجھ پر فلاں نے جادو کردیا، پڑوسی نے کردیا۔ بھابھی نے کردیا، ساس نے کردیا۔ یہ نہ بھابھی کرتی ہے نہ ساس کرتی ہے، نہ پڑوسی کرتا ہے، یہ ہم خود کرتے ہیں۔ جب کئی کئی شیطان مسلط ہوجائیں گے پھر طبیعت بھی خراب رہے گی، سر میں درد ہوگا، مزاج بھی چڑچڑا ہوگا منہ سے بکواس بھی نکلے گی، بچوں کو بھی گالیاں دیں گے، بڑوں کو بھی گالیاں دیں گے، یہ جادو ہم نے خود کیا ہے۔ خلوص سے اللہ سے توبہ کریں اور اللہ اللہ کریں، اللہ کا ذکر کریں۔ تو اللہ کو یاد کریں، جادو دور ہوجائے گا اور

شیطان چھٹ جائیں گے۔

فرمایا، وہ لوگ جو شب و روز، ہمہ وقت (Round the clock)، ہر آن، ہر لمحہ ذکر کرتے ہیں، ذکر انہیں تفکر دیتا ہے۔ آئینۂ دل صاف ہوتا ہے تو پھر وہ دنیا سے آگے دیکھتا ہے، تب اسے اس کی فکر پیدا ہوتی ہے کہ، یہ آگے کون سا جہان ہے، آگے بھی میرا ہی گھر ہے۔ مجھے اسی میں جانا ہے۔ اب اس کی کون سی سمت آباد ہے، کس طرف عذاب اور مصیبتیں ہیں وہ اپنی راہ کو دیکھتا ہے کہ میں کدھر کو جا رہا ہوں؟ کیا میں اللہ کی رحمت کی طرف جا رہا ہوں یا عذابوں کی طرف جا رہا ہوں؟ میرا ہر ہر عمل ایک قدم ہے، میری ہر ہر سانس ایک قدم ہے، میں کدھر بڑھ رہا ہوں۔ پھر پکار اٹھتا ہے کہ اے اللہ! اے میرے پروردگار! اے میرے خالق ومالک، پالنہار! یہ اتنا بڑا وسیع نظام تو نے فضول پیدا نہیں کیا، اس کا نتیجہ نکلے گا، یہ بلا مقصد نہیں ہے: مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا--- یہ اتنی تخلیق تو نے فضول بیکار پیدا نہیں کی، اس کا نتیجہ نکلے گا۔ سُبْحٰنَكَ تُو پاک ہے ہم پر بھی رحم فرما فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور ہمیں دوزخ کے عذابوں سے بچالے۔ اسے پھر دونوں جہان سامنے نظر آتے ہیں۔ ادھر جنت بھی نظر آتی ہے اُدھر جہنم بھی نظر آتی ہے۔ وہ کہتا ہے یا اللہ مجھے اس سے بچالے۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ--- انسان ساری عمر رسوا ہونے سے بچتا ہے، پھر اسے سمجھ آتی ہے کہ اصل رسوائی یہ ہے میرے پروردگار جسے تُو نے دوزخ میں ڈال دیا رسوا تو وہ ہوا، اسے تُو نے رسوائی کی حد کو پہنچا دیا، وہ بہت رسوا ہو گیا، وہ بے آبرو ہو گیا، اس کی کوئی حیثیت، نہ رہی۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (192) اسے سمجھ آجاتی ہے کہ غلط کاروں کا کوئی مددگار نہیں۔ ظلم ہوتا ہے غلط کام کرنا۔ غلط کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں۔ جو اپنے آپ پر بوجھ لادتا چلا جاتا ہے اس کی مدد کون کرے گا؟ جو خود کو تباہی کی طرف لے گیا اسے بچانے کون آئے گا؟ بچانے والا وہی مالک تھا جس کی ناراضگی مول لے کر اُدھر جا رہا ہے تو پھر بچائے گا کون؟ پھر اسے یاد آتا ہے، اس منزل پہ پہنچ کر اسے پتا چلتا ہے۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ (193) اے میرے پروردگار! ہم نے سنا، بلانے والا ایمان کی طرف بلا رہا ہے۔ لمحہ لمحہ اذانیں ہو رہی تھیں، لمحہ لمحہ بیانات ہو رہے تھے، لمحہ لمحہ تیری کتاب بیان ہو رہی تھی، لمحہ لمحہ تیرے نبی ﷺ کے دہن مبارک سے نکلے ہوئے گلاب بانٹے جا رہے تھے۔

پھر اسے یاد آتا ہے کہ یا اللہ! تُو نے ہر لمحہ ایسا انتظام کر دیا تھا کہ ہر لمحہ پھول برس رہے تھے۔ اِنَّنَا سَمِعْنَا یقیناً ہم نے یہ سنا کہ بلانے والا تیری بارگاہ کی طرف بلا رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ--- اپنے پروردگار کو، بے پناہ نعمتیں عطا کرنے والے کو مانو۔ فَاٰمَنَّا--- ہم نے مان لیا فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا--- ہم نے مان لیا۔ ماننے کا مطلب ہوتا ہے اطاعت کرنا، عمل کرنا۔ میں یہاں ایک لڑکے سے کہتا ہوں مجھے پانی لادو۔ کہتا ہے، جی بس مان لیا، لادیتا ہوں، لاکے نہیں دیتا، تو کیا مانا اس نے؟ ماننے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ارشاد پہ عمل کیا جائے۔ سو، پروردگار ہم نے مان لیا۔ لیکن ماننے کے باوجود ہم میں بشری کمزوریاں ہیں، ہم انسان ہیں، ہم طاقتور نہیں ہیں، غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ مانا بھی لیکن اے ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرما۔ ہمارے گناہ معاف کر دے ہم سے غلطیاں ہو جاتی ہیں وہ معاف فرما وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا--- ہماری کوتاہیاں معاف فرما۔ "ذنب" وہ گناہ ہوتا ہے جو عمداً کیا جائے۔ "سیئات" وہ ہوتا ہے جو غلطی سے غیر شعوری طور پر صادر ہو جائے۔ پھر اسے سمجھ آتی ہے کہ اے اللہ! جو میں نے جان بوجھ کر کیے وہ گناہ بھی معاف کر دے، جو غیر شعوری طور پہ ہو گئے وہ بھی معاف کر دے۔ پھر اسے پتا چل جاتا ہے کہ ساری نیکی کے باوجود میرے دامن میں پھر بھی گناہ ہیں، میں سو فیصد اطاعت نہیں کر سکا کہ اطاعت میں کمی رہ جانا بھی تو گناہ بن جاتا ہے، خلوص میں کمی رہ جانا گناہ بن جاتا ہے۔ ہم تو دھڑلے سے گناہ بھی کرتے ہیں، جانتے

ہوتے ہیں گناہ سے پھر بھی کرتے ہیں۔ تو پھر وہ عرض کرتا ہے، اللہ! میرے جانے انجانے سب گناہ معاف کر دے۔

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (193) پہلے اس کی تمنا زندگی کی ہوتی ہے کہ مجھے دنیا کی لمبی زندگی ملے پھر میں امراء میں شامل ہو جاؤں، جب حقیقت آشنا ہو جائے تو وہاں کہتا ہے، یا اللہ! مجھے نیکوں کے ساتھ موت دیدے۔ زندگی کی حقیقتیں کھل جاتی ہیں، آخرت سامنے آجاتی ہے یہ ہے۔ ذکر کا مقصد جو قرآن نے بیان کیا ہے۔

یہ ذکر کا مقصد نہیں ہے کہ آپ ذکر کریں گے تو باکمال ہو جائیں گے، آپ ذکر کریں گے تو لوگ آپ کو سجدے کریں گے یا آپ ذکر کریں گے تو آپ کی صحت خراب نہیں ہوگی۔ دنیا میں بے مثل و بے مثال، ساری کائنات ساری مخلوق میں اللہ کے نبی ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ بیمار بھی ہوتے تھے صحت مند بھی ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے کون سی مصیبت ہے جو نہیں اٹھائی۔ پتھر برسائے گئے، کانٹے بچھائے گئے، تکلیفیں دی گئیں۔ ایک سفر ہجرت کو دیکھا جائے تو یوں لگتا ہے موت ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ ابو جہل اور اس کے لوگوں کی آمد، اثنائے سفر میں تلاش کرنے والوں کا ملنا، پھر مدینہ منورہ میں کون کون سا دکھ ہے جو وہاں نہیں پہنچا۔ پھر حضور ﷺ کی طبیعت مبارک ناساز بھی ہوتی، آپ ﷺ بیمار بھی ہوتے صحتمند بھی ہوتے، پھر اللہ نے حکومت دے دی، سلطنت و ریاست دے دی۔ سارا جزیرہ نمائے عرب حضور ﷺ کی حیاتِ دنیا میں زیر نگین آگیا اور عالم کیا ہے بادشاہی کا؟ دو، دو مہینے کاشانۂ نبوت پہ آگ نہیں جلتی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ارشاد ہے کہ ہم پر ایک چاند طلوع ہوتا وہ ختم ہو جاتا پھر دوسرا چاند طلوع ہوتا وہ گزر جاتا اور ہمارے گھر پہ آگ نہیں جلتی تھی، عرض کیا اماں جی کیوں! فرمایا، پکانے کو کچھ ہوتا ہی نہیں تھا آگ کس لیے جلائیں۔ عرض کی گئی کہ پھر گزارہ کیسے ہوتا تھا؟ فرمایا، چند کھجوریں کھا کر پانی پی لیا، کہیں سے دودھ ہدیہ میں آگیا وہ پی کر شب بسر کر لی تو دو دو مہینے اس طرح گزر جاتے تھے۔ اللہ کا رسول ﷺ بھی تھا اور سارے عرب کا حکمران بھی تھا۔ ہم سوچتے ہیں کہ میں ذکر کروں گا تو روپوں کا ڈھیر لگ جائے گا۔ یار! خدا کے لیے کیا کرتے ہو؟ روپے نہیں برسیں گے، روپے دینے والے کا جمال برسے گا۔ ہاں! ذکر میں اس کیفیت کا کوئی نہ کوئی ذرہ آجاتا ہے جیسے حضور ﷺ ہر حال میں شکر فرماتے تھے، بندہ ہر حال میں شکر کرنے لگ جاتا ہے، دکھ آئے تو بھی شکر کرتا ہے، دکھ نہ آئے تو بھی شکر کرتا ہے۔ غریبی ہو تو بھی شکر کرتا ہے امیری ہو تو بھی شکر کرتا ہے۔ اس کی ذات میں کوئی فرق نہیں پڑتا، بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔ ذکر سے یہ ہوتا ہے۔ ذکر نہ ہو اور فراخی آجائے تو بپھر جاتا ہے درندہ بن جاتا ہے، تنگی آجائے تو پھر لومڑ بن جاتا ہے گیدڑ بن جاتا ہے، رونے لگ جاتا ہے۔

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (193) یہ زندگی کا شیدائی اپنی موت کی فکر میں لگ جاتا ہے، اللہ مجھے نیک لوگوں کے ساتھ موت دینا۔ عرض کرتا ہے۔ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ... (194) اے اللہ! اپنے رسولوںؑ کی زبانی تُو نے جو وعدے فرمائے وہ نعمتیں عطا کر، وہ انعامات مجھے عطا کر جو تو نے اپنے نبیوںؑ اور اپنے رسولوںؑ کی زبانِ حق ترجمان کی معرفت فرمائے ہیں۔

وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ... (194) اللہ ہمیں قیامت کو رسوا نہ کرنا۔ یعنی آپ دیکھیں کہ طلبِ انسانی کیا ہے۔ ہر ایک کی طلب آپ کے سامنے ہے، دولت ہو، پیسہ ہو، اقتدار ہو، ذکر اس طلب کو پھیر کر وہاں لے جاتا ہے کہ اللہ یوم حشر مجھے رسوا نہ کرنا۔ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (194) یقیناً تُو اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا۔ غلطی میری طرف سے ہوتی ہے تُو اپنے وعدے پورے فرماتا ہے۔

تو میرے بھائی! اس پہ ذرا غور فرمائیے گا۔ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ کسی کو توفیقِ ذکر دے دے۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ ہمارے علماء حضرات بھی قرآن پڑھتے ہیں، اس کے ترجمے اور تفسیر

سے بھی واقف ہیں، اس کی تشریحات بھی جانتے ہیں پھر ساری عمر اس میں لگے رہتے ہیں کہ ذکر نہ کریں۔ کسی برائی سے روکنا ہے تو روکو، اللہ کے ذکر سے روکنے کا کیا مقصد؟ لیکن ان کا بھی قصور نہیں، قصور ہمارا ہے کہ ہم ذکر کرکے بھی پھر دنیا کی طرف چلے جاتے ہیں۔ تو جو بندہ وہ آخری دوائی جو زندگی بچانے والی ہے وہ بھی کھاکے پھر بھی برائی ہی کی طرف، بدپرہیزی کی طرف جائے تو اسے مرنے سے کون بچائے گا؟ دوائی بیماری کو تو روکے گی، بد پرہیزی کو تو نہیں، وہ تو آپ نے روکنا ہے۔ اگر ہم ذکر کرکے اس کا ماحصل بھی دنیا ہی چاہیں گے تو پھر ہمیں مرنے سے کون بچائے گا؟ پھر ساری عمر سر بھی پٹکا اور محروم بھی رہے، کتنی بدنصیبی ہے۔ ذکر کے مقصد کو پہچان کر ذکر کیجیے، شب و روز کیجیے، ہر آن کیجیے، بدن کا ہر ذرہ کرے۔ ذکر کا حاصل عظمتِ الٰہی ہے، آخرت کی تیاری، گناہوں کی معافی اور اللہ کی بارگاہ میں رسوائی سے بچنا ہے۔ اللہ کریم ہمیں توفیق بھی دے اور اگر ہم مخلص نہیں ہیں تو ہمیں خلوص بھی دے۔

علمائے حق لکھتے ہیں کہ ہر عبادت میں خلوص ضروری ہے، خلوص کے بغیر عبادت قبول نہیں ہوتی لیکن ذکر ایسی عبادت ہے کہ بغیر خلوص کے شروع کیا جائے اور مسلسل کرتے رہیں تو خلوص پیدا ہوجاتا ہے۔ یعنی یہ ایسی دوا ہے کہ آپ اس پہ محنت کرتے رہیں اور آپ نے ویسے ہی شروع کردیا تو خود بخود خلوص بھی آجائے گا۔ سکھ بھی آئیں گے دکھ بھی آئیں گے۔ بارشیں آندھیاں، بادل بھی آئیں گے، آسانیاں بھی آئیں گی۔ بچپنا آیا، لڑکپن گزرا، جوانی بیتی، بڑھاپا بھی آگیا۔ اسی طرح دن گزرتا ہے رات بھی آجاتی ہے پھر رات ختم ہوجاتی ہے دن آجاتا ہے، صحت ہوتی ہے بیماری آجاتی ہے، تنگ دستی ہوتی ہے فراخی آجاتی ہے تنگی آجاتی ہے، یہ اللہ کا ایک نظام ہے۔ وہ جس حال میں جہاں بھی رکھے، اپنی یاد میں، اپنے ذکر کی توفیق، اپنی اطاعت کی توفیق دے تو یہ کامیابی ہے۔

اب کوئی سمجھتا ہے میں ذکر کرتا ہوں جو میں چاہوں وہ ہو جائے تو کیا تم اللہ کی جگہ آگئے ہو؟ اللہ سے شراکت آگئی ہے؟ وہ ہوگا جو وہ چاہے گا، جو تم چاہوگے وہ نہیں ہوگا۔ ذکر کرنے سے بندہ خدائی صفات نہیں پالیتا۔ بندہ بندہ بنتا ہے، خدا نہیں بنتا اور یہ جادو وغیرہ جو عام ہوگیا ہے تو یاد رکھ لو! جادوگروں کے بس میں کچھ ہوتا تو کیا وہ آپ سے مانگ کے کھاتے، اپنے لیے روپے بنالیتے۔ میں مڈل میں پڑھتا تھا، نیا نیا پاکستان بنا تھا تو ہمارے ایک عزیز باباجی سرگودھا ہوتے تھے۔ میونسپل کمیٹی کے فائر بریگیڈ کے انچارج ہوتے تھے۔ ہمیں جب دو چار چھٹیاں ملتی تھیں تو ہماری بڑی عیاشی ہوتی تھی کہ سرگودھا چلے گئے، وہاں بڑا کھلا میونسپل چوک تھا، ہم گھوم رہے تھے تو وہاں مداری نے تماشہ شروع کیا، مخلوق جمع ہوگئی۔ وہ مختلف تماشے کرتا رہا، دکھاتا رہا۔ اس نے اپنے جھولے سے ایک لکڑی نکالی پھر مٹی کی ایک چٹکی لے کر ہاتھ پر رکھی پھر وہ لکڑی پھیری، کچھ پڑھا تو اسی وقت وہ سکہ بن گئی۔ پاکستانی سکہ نہیں بنا تھا وہی انگریزی روپیہ، دو کوڑی والا چاندی کا روپیہ چل رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کھولا تو اتنا بڑا روپیہ اس کے ہاتھ پہ پڑا تھا، یعنی مٹی کی چٹکی سے اس لکڑی سے دم کرکے اس نے روپیہ بنالیا تو مجھے بڑی حیرت ہوئی، کمال ہے! اس وقت روپے کی قدر تھی، اس میں جان ہوتی تھی۔ روپے میں چونسٹھ (64) پیسے ہوتے تھے، ہر پیسے میں تین(3) پائیاں اور دو (2) دھیلے ہوتے تھے۔ اور ہم جب اسکول جاتے تھے تو گھر سے ایک پیسہ لے جاتے تھے۔ تفریح کا وقفہ ہوتا تو دکاندار سے کہتے تھے بھئی دھیلے کی مونگ پھلی دے دو، وہ ایک دھیلا واپس دے دیتا تھا۔ تو دھیلے میں وہ اتنی مونگ پھلی دے دیتے تھے کہ تفریح میں ہم سب سے وہ ختم نہیں ہوتی تھی۔ چھٹی ہوتی تھی تو دھیلے کی ریوڑیاں لے لیتے تھے وہ ایک پیسے میں دے دیتے تھے۔ ہم نے وہ سکے برتے ہیں اگر روپیہ اس نے بنالیا تو ہمارے ذہن میں تو یہ تھا کہ بہت بڑا سیٹھ ہوگا تو میں بڑا حیران ہوکر دیکھ رہا تھا کہ یار! اس نے کپڑے پھٹے ہوئے

پہنے ہیں، گدڑی سے اٹھائی ہوئی ہے اگر یہ روپے بنالیتا ہے تو اسے بہت امیر ہونا چاہئے لیکن اس نے چادر پھیلائی تو اس وقت وہ سوال بھی کرتے تھے کہ پیسہ پیسہ، دو پیسے دے دو، میں ٹھٹھک گیا۔ میں نے کہا، اس میں کوئی فریب کوئی جھوٹ ہے۔ جب یہ روپیہ خود بنا سکتا ہے تو پیسہ پیسہ کیوں مانگتا ہے؟ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اسی وقت میرے ذہن میں تردید آگئی کہ یہ جھوٹا ہے، اس نے بدمعاشی کی ہے اگر روپیہ خود بنا سکتا تو پیسہ پیسہ کیوں مانگتا ہے؟ ٹکہ بھی ایک ہوتا تھا اسے ہم پنجابی میں کبھی دو پیسی کہتے تھے، نام اس کا ٹکہ تھا اس میں دو پیسے ہوتے تھے، وہ چوکور ہوتی تھی۔ تو یہ ٹکہ ٹکہ پیسہ پیسہ مانگ رہا ہے یہ جھوٹ بولتا ہے، دھوکہ دیتا ہے۔

اسی طرح جادوگروں سے کچھ بنتا تو یہ خود رئیس ہوتے، آپ سے پیسے کیوں لیتے روٹی کھانے کے لیے؟ آپ کی مشکلیں حل کردیتے ہیں، تو کمال ہے اپنی مشکل حل کرنے کے لیے آپ سے پیسے کیوں لیتے ہیں؟ تو کتنا پاگل پن ہے کہ جو جائز طریقے سے روزی نہیں کما سکتا، آپ سے مانگ کر کھاتا ہے وہ آپ کی مشکلیں کیا دور کرے گا؟ جادو اس نے نہیں کیا، ہر بندے نے اپنے آپ پر جادو کر رکھا ہے۔ ایک شیطان تو پیدائشی اس کے گلے پڑا تھا، دوسرا اللہ کی نافرمانی کرکے اپنے اوپر مسلط کروالیا۔ ایک ایک بندے پر دو دو شیطان لگے ہوئے ہیں، یہ جادو ہی ہے اور کیا ہے؟ ہمارے جو سرکش بیل ہیں زیادہ سے زیادہ ہم اسے دو دو رسیاں ڈال لیتے ہیں، دو بندے پکڑ لیتے ہیں تو ہر بندے کو اگر دو دو شیطانوں نے پکڑا ہوا ہے تو کہاں جائے گا؟ اس جادو کا علاج توبہ اور اللہ کا ذکر ہے۔ جادوگروں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ ماننا کہ جادوگر کچھ کرسکتے ہیں یہ بجائے خود عقیدۂ ایمان کے خلاف ہے۔ تو اپنے آپ پر سے جادو اتاریئے۔ اپنے رب کے ساتھ خلوص سے رہیے اور اپنی بخشش اور مغفرت کی دعا کرتے رہیے کیونکہ ہم غیر شعوری طور پر اتنے گناہ کرجاتے ہیں کہ ہماری شعوری عبادتوں سے وہ بھاری ہوتے ہیں۔ اللہ کریم ہم پر رحم فرمائے (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

بقیہ اداریہ صفحہ نمبر 4 سے آگے

اس سے آگے اُس نکتے کا بیان ہے جس نے مجھے فنافی الشیخ کی اصل کیفیت سے آشنا کیا۔ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ بحرِ سلوک میں صَرف کرنے، اللہ کریم کی عطا کردہ بے مثل دنیوی شان اور لاکھوں عقیدت مندوں کے ہوتے ہوئے جب حضرت مدظلہ العالی نے اپنی ذات کی تمام تر حیثیتوں کی نفی کرتے ہوئے فرمایا ''میں تو بس ایک رابطہ ہوں، سارا فیض آج بھی بفضل اللہ میرے شیخ کا تقسیم کردہ ہے۔''

فنافی الشیخ کے مقام کو شاید ہم نہ سمجھ پائیں لیکن اس کی کیفیت کا پرتو حضرت مدظلہ العالی کے چہرہ مبارک سے ادائیگی الفاظ تک دیدنی تھا۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ بے شک حضرت مدظلہ نے اللہ کے فضل و کرم سے بوسیلہ محمد رسول اللہ سارا فیض اپنے شیخ کے توسط سے پایا اور پھر آج کوئی ایسا حضرت مولانا اللہ یار خاںؒ نہیں ہے کہ وہ کسی مزار سے حصول فیض کرلے گا اور نہ ہی حضرت مولانا اللہ یار خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سوائے حضرت مدظلہ العالی کے کسی پہ برزخ سے توجہ فرماتے ہیں۔ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ اللہ کریم ہمیں اپنے شیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان صاحب مدظلہ العالی کے ساتھ ویسی ہی محبت عطا فرمائے جس کی جھلک حضرت مدظلہ العالی میں اپنے شیخ کی محبت میں ہم نے دیکھی۔

گِلے خوشبوئے در حمام رُوزے رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دلآویزے تُو مستم
بگفتا من گِلے ناچیز بودم ولیکن مدتے باگل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

سورۃ کہف

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

شیخ کو مرید سے شرط لینے کا حق

قولہ تعالیٰ: فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ (الکھف:70)

ترجمہ: اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کی نسبت کچھ پوچھنا نہیں جب تک کہ اس کے متعلق میں خود ہی ابتداءً ذکر نہ کردوں۔

''اس سے معلوم ہوا کہ شیخ کو مرید سے مناسب شرطیں لگانے کا حق ہے''

یعنی کوئی کہہ دیتا ہے بازار سے چیز نہیں کھاؤ گے، یہ کام کرو گے، یہ کام نہیں کرو گے تو یہ درست ہے۔ جب ہم لطائف سیکھا کرتے تھے تو حضرتؒ ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ نماز تو باجماعت پڑھو لیکن فرائض پڑھنے کے بعد لوگوں سے الگ ہو جاؤ۔ اپنے سنت نوافل الگ پڑھو لوگوں میں مل جل کر نہ رہو۔ ایک دوسرے کے اثرات پڑتے ہیں اور وہ نقصان دہ ہیں۔ بازار سے چیزیں لے کر نہ کھاؤ گھر سے دال روٹی کھاؤ۔ فرمایا کرتے تھے کہ بازار میں اگر حلال چیزیں جائز طریقے سے بھی پڑی ہوں تو سارا دن ان لوگوں کی حسرت بھری نگاہیں ان پر پڑتی رہتی ہیں جو انہیں خریدنے کی سکت نہیں رکھتے تو ان پر نحوست آ جاتی ہے۔ لہٰذا شیخ اگر کوئی شرطیں لگاتا ہے تو وہ تربیت کے لیے ہوتی ہیں اور ان کی اصل قرآن میں موجود ہے کہ وہ یہ شرط لگا سکتا ہے کہ یہ یہ کام کرو یہ نہ کرو۔

بزرگوں کے افعال خلاف شرع ظاہراً کا صدور

قولہ تعالیٰ: خَرَقَهَا ۖ قَالَ اَخَرَقْتَهَا (الکھف:71)

ترجمہ: ان بزرگ نے ان کشتی میں چھید کر دیا۔ موسیٰؑ نے فرمایا کیا آپ نے اس کشتی میں اس لیے چھید کیا ہوگا کہ اس کے بیٹھنے والوں کو غرق کر دے۔

''اس سے دو امر ثابت ہوئے ایک یہ کہ ایسے بعضے افعال جن کا ظاہر خلافِ شرع ہو اور واقع میں خلاف نہیں ہوتے اکابر سے صادر ہو سکتے ہیں۔ اور دوسرا امر یہ کہ اولیاء میں ایسے بھی ہیں جو باذن حق تکوین میں تصرف کرتے ہیں جو خواص باری تعالیٰ سے نہ ہو اور ایسے لوگوں کو قطب التکوین اور صاحب خدمت کہتے ہیں۔''

خضرؑ نے کشتی میں دراڑ پیدا کر دی تو موسیٰؑ نے اعتراض کیا کہ کمال ہے انہوں نے ہمیں سواری دی، ہمارے ساتھ نیکی کی آپ نے ایسا کام کیا کہ کشتی ہی ڈوب جائے، سارے غرق ہو جائیں یا ان کی کشتی خراب ہو جائے۔ تو یہاں فرماتے ہیں کہ دو چیزیں ثابت ہو گئیں۔ ایک یہ کہ بعض ایسے افعال جو دوسرا بندہ خلافِ شرع سمجھتا ہے لیکن حقیقتاً وہ خلافِ شرع نہیں ہوتے۔ شیخ کے لیے کوئی بیماری، کوئی مجبوری، کوئی امر ایسا ہوتا ہے جو اس کے لیے مباح ہوتا ہے، دوسرا نہیں جانتا تو وہ اعتراض کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔

اور دوسری بات وہ فرماتے ہیں کہ بعض اولیاء اللہ میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو تکوینی امور میں تصرف کرتے ہیں، اللہ کی طرف سے انہیں مامور کیا جاتا ہے۔ اللہ ان کے دل میں کوئی بات ڈال دیتا ہے وہ کسی کے لیے دعا کر دیتے ہیں، کسی پر توجہ کر دیتے ہیں، کچھ کام کسی اور

طرح سے ہوجاتے ہیں تو انہیں قطب التکوین کہا جاتا ہے، تکوینی امور کے ذمہ دار لوگ۔ تو اس طرح کے لوگوں کے ہونے کا ثبوت بھی اس آیہ کریمہ میں موجود ہے، جیسے یہاں خضرؑ کو من جانب اللہ حکم دیا گیا تھا کہ کشتی میں دراڑ ڈال دیں۔

جوازِ سوال وقت حاجت

قولہ تعالیٰ: اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا (الکھف: 77)

ترجمہ: تو وہاں والوں سے کھانے کو مانگا۔

''اس سے معلوم ہوا کہ فوری ضرورت کے لیے سوال کرنا جائز ہے اور بعض اہل طریق نے ضرورتِ باطن کے لیے نہ کہ ضرورتِ گرسنگی کے لیے اس کو کبھی کبھی اختیار کیا ہے۔''

فرماتے ہیں یہ سوال کرنا بھی اسباب اختیار کرنے میں ایک سبب ہے۔ اور جائز امر کے لیے، جائز کام کے لیے، جائز طریقے پر سوال کرنا جائز ہے اور اس میں شرط یہ ہوتی ہے کہ اپنی ضرورت کو تو سمجھے کہ میری ضرورت اللہ نے پوری کرنی ہے اور سوال کو اسباب میں سے ایک سبب سمجھ کر کرے اور بلا ضرورت سوال کرنا جائز نہیں ہے لیکن اسباب و وسائل جو ہیں ان میں ایک وسیلہ سوال بھی ہے۔ اور بعض اہل طریقت فرماتے ہیں کہ ظاہری چیزوں سے اس کا تعلق نہیں ہے، باطنی ضرورت کے لیے سوال کرنا جائز ہی نہیں ضروری ہے کہ کیفیاتِ قلبی کے لیے شیخ سے سوال کرے، شیخ سے بات کرے، شیخ کی منت سماجت کرے تو یہ ضروری ہے۔

اثباتِ کرامات

قولہ تعالیٰ: فَاَقَامَهٗ (الکھف: 77)

ترجمہ: تو ان بزرگ نے اس کو سیدھا کر دیا۔

''بخاری کتاب التفسیر میں سعید سے روایت ہے کہ اس دیوار پر ہاتھ پھیر دیا اور وہ سیدھی ہوگئی۔ پس اس تفسیر پر اس میں کراماتِ اولیاء کا اثبات ہے جب خضر علیہ السلام کی نبوت کا قائل نہ ہوا جاوے۔''

جو لوگ کہتے ہیں خضر علیہ السلام نبی نہیں تھے۔ ایک ولی تھے تو پھر ان کے ہاتھ پھیر دینے سے دیوار کا درست ہو جانا کرامات اولیاء اللہ کا ثبوت ہے کہ اولیاء سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے اور ولی کی کرامت دراصل نبی علیہ السلام کا معجزہ ہوتا ہے کہ ولی کو با اتباع نبیؐ نصیب ہوتی ہے۔ نبیؐ کا اتباع کرتا ہے تو ولایت نصیب ہوتی ہے اور ولایت سے ہی کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ تو اگر کسی ولی سے کرامت ظاہر ہوتی ہے تو اس کا ثبوت بھی ہے اور یہ جائز ہے لیکن یہ اس کی ذاتی بڑائی نہیں ہوتی بلکہ وہ معجزہ نبیؐ کا ہوتا ہے۔ اور معجزہ صادر تو نبیؐ کے ہاتھ پر ہوتا ہے لیکن فعل اللہ کا ہوتا ہے تو عقل کو دنگ کر دینے والا واقعہ جو عقلاً محال نظر آتا ہے وہ اگر نبیؐ کے ہاتھ سے ظاہر ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں عقل کو عاجز کو دینے والا، اور وہی محیر العقول واقعہ اگر ولی کے ہاتھ پہ ظاہر ہو تو کرامت کہلاتا ہے۔

کسب اور کمال میں منافاۃ نہ ہونا

قولہ تعالیٰ: لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا (الکھف: 77)

ترجمہ: تو اس پر کچھ اجرت ہی لے لیتے۔

''اس سے معلوم ہوا کہ اکتسابِ معیشت اور اس کے اسباب کا اختیار کرنا کمال کے منافی نہیں۔''

اور موسیٰ علیہ السلام کا خضرؑ کو یہ فرمانا کہ آپ چاہتے تو اس پر مزدوری لے لیتے کہ ہم نے کھانا مانگا انہوں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ ہم بھوکے ہیں اور آپ کو دیوار کھڑی کرنے کا شوق تھا تو اس پہ کوئی مزدوری لے لیتے کم از کم کھانے کا انتظام ہو جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکتسابِ معیشت اور اس کے اسباب کا اختیار کرنا کمال کے منافی نہیں۔ فرمایا اللہ کے نبیؐ نے جب یہ فرمایا کہ آپ مزدوری لے سکتے تھے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ولی کامل کو بھی رزقِ حلال پیدا کرنے کے لیے جائز اسباب اختیار کرنا چاہیے۔ یہ کمال کے منافی نہیں کہ ولیِ کامل ہے اور پتھر ڈھو رہا ہے، ولیِ کامل ہے اور زراعت کر رہا ہے، مزدوری کر رہا ہے یہ کمال کے منافی نہیں بلکہ فطری طریقے کے مطابق ہے کہ حصولِ رزق کے لیے جائز وسائل اختیار کئے جائیں۔

عدم مناسبت کے وقت مرید کو جدا کر دینا

قولہٗ تعالیٰ: قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ (الکھف: 78)

ترجمہ: ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ وقت ہمارا اور آپ کی علیحدگی کا ہے۔

''یہ اصل ہے مرید کو جدا کر دینے کی جبکہ اس سے مناسبت و موافقت کی توقع نہ رہے اور بکثرت خلاف و نزاع ظاہر ہونے لگے۔''

فرمایا، کوئی مرید جب شیخ کی رائے سے اختلاف کرنے لگے تو شیخ کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے الگ کر دے، بجائے اس کے کہ وہ مزید اعتراض کر کے نقصان اٹھائے۔ اگر کسی مرید کو شیخ کی رائے سے اختلاف ہوتا ہے تو اسے حق حاصل ہے کہ وہ کہہ دے میاں! جو تم نے حاصل کر لیا اب اس کو سنبھالو اور یہاں سے چلتے بنو۔

اولادِ اکابر کی رعایت

قولہٗ تعالیٰ: وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ (الکھف: 81)

ترجمہ: اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔

''اس میں بزرگوں کی اولاد کی رعایت کی اصل ہے۔ اور یہ امر اہل سلوک کے لیے مثل امرِ طبعی کے ہے''

پھر اسی قصے کا ذکر ہے کہ وہ دیوار سیدھی کر دی تھی تو جب بتایا موسیٰ کو تو فرمایا، اس کے نیچے خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا اور اللہ کریم کی منشا ہے کہ یہ بڑے ہو کر خود اپنا خزانہ نکالیں۔ تو فرماتے ہیں اس میں بزرگوں کی اولاد کی رعایت کی اصل ہے۔ یہ امر اہل سلوک کے لیے مثل امرِ طبعی کے ہے۔ یعنی نیک لوگ جو ہوتے ہیں ان کی اولاد کے ساتھ رعایت کی جانی چاہیے۔ خواہ وہ کیسے بھی ہوں اور ان کو ایذا دینا یا ان کو تکلیف دینا یا ان کی مخالفت کرنا درست نہیں ہے۔ یہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ تو انہوں نے نہیں فرمایا کہ یہ بچے لے جائیں، فرمایا ان کا باپ نیک تھا لہٰذا اللہ نے ان سے یہ رعایت فرمائی ہے کہ ان کا مال ضائع نہ ہو۔ تو فرماتے ہیں اس میں اس بات کی اصل ہے کہ ان کی اولاد سے رعایت کی جانی چاہیے۔

بزرگوں کے لیے خلافِ شرع امور جائز رکھنے والے کا فسادِ استدلال

قولہٗ تعالیٰ: وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۚ (الکھف: 82)

ترجمہ: اور کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔

''اس سے ان لوگوں کا احتجاج ساقط ہو گیا جو کاملین کے لیے امورِ خلافِ شرع فی الواقع کا صدور جائز رکھتے ہیں۔ وجہ سقوط ظاہر ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے یہ سب افعال بالکل مامور بہ من اللہ تھے اور یہی مامور بہ شرع ہے۔ اگر وہ نبیؑ تھے تب تو یہ افعال شرع جزئی کی طرف مستند ہیں اور اگر نبی نہیں تھے تو شرع کُلّی کی طرف کسی اصل غامض سے استنباط کے ذریعے سے جس پر موسیٰؑ کو اس لیے اطلاع نہیں ہوئی کہ ان پر وہ مصالح خاصہ منکشف نہیں ہوئے اس لیے وہ استنباط نہ کر سکے۔''

فرماتے ہیں، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ولی کے لیے ہر کام جائز ہوتا ہے جو چاہے کرتا رہے، اس کا اس آیت میں رد ہے۔ خضرؑ نے فرمایا کہ بظاہر یہ امور خلافِ شرع تھے لیکن میں نے تب کئے ہیں جب اللہ نے مجھے حکم دیا، میں نے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کیا۔ اور شریعت کیا ہے؟ اللہ کے حکم کا نام ہی شریعت ہے تو چونکہ جو اس میں مصلحت تھی وہ موسیٰ علیہ السلام پر منکشف نہ ہوئی، ان کا وہ شعبہ نہیں تھا ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ خضر علیہ السلام اگرچہ نبی نہیں تھے، ولی تھے لیکن ان کی وہ ذمہ داری لگی ہوئی تھی تو ان پر اللہ نے اس کی مصلحت بھی منکشف کر دی کہ آپ یہ کام کریں اس کا یہ نتیجہ ہوگا تو انہوں نے وہ جتنے کام جو بظاہر خلافِ شرع تھے اللہ کے حکم پر کیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا لیکن انہوں نے کہا میں نے کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کیا، تو فرمایا جو لوگ کہتے ہیں کہ ولی جو عمل چاہے وہ کرتا رہے اس کے لیے ہر چیز مباح ہو جاتی ہے، ان کا اس پر رد ہے کہ ولی جتنا کامل ہوگا اتنا متبع شریعت

ہوگا۔ یہ نہیں کہ کامل ہوجائے تو شریعت کی مخالفت شروع کردے۔

کشف کا مقاصد میں سے نہ ہونا:

قولہٗ تعالیٰ: ذٰلِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا (الکھف:82)

ترجمہ: یہ حقیقت ہے ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہوسکا۔

''اس سے معلوم ہوا کہ ایسے مغیبات پر مطلع ہوجانا اور ان کا منکشف ہوجانا مقاصد میں سے نہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام باوجودیکہ خضر علیہ السلام سے بوجہ اس کے کہ قطعی نبی اور اولوالعزم و اہل شرع مستقل ہیں، اکمل تھے پھر بھی ان واقعات سے محجب رہے اور روح المعانی میں ہے کہ علماء نے اس قصہ سے جیسا کہ شراح حدیث وغیرہ نے ذکر کیا ہے، ان فوائد پر استدلال کیا ہے۔ طلبِ علم کے لیے سفر کا مستحب ہونا، علماء و مشائخ کے ساتھ ادب کا برتاؤ کرنا، ان پر اعتراض کا ترک کرنا اور ان کے افعال و حرکات و اقوال میں سے جس کا ظاہر مفہوم نہ ہو اس کی تاویل کرلینا، ان کے ساتھ جو عہد کیا ہے اس کو وفا کرنا، اگر ان کے خلاف کچھ ہوجائے تو اس کی معذرت کرنا، سفر میں خادم کو ہمراہ لینا اگرچہ وہ سفر کسی بزرگ ہی کی خدمت میں ہو، اور سفر میں زادِ راہ لے جانا اور اس کا منافی توکل نہ ہونا، نسیان اور دیگر امور مکروہیہ کو شیطان کی طرف منسوب کرنا اور ان کی نسبت الی اللہ کرنے سے ادب کرنا، عالم کا طالب علم سے ایسے فن کی تعلیم نہ کرنے میں عذر کردینا جس کا وہ متحمل نہ ہوسکے گا، ہر امر میں مثبت حق کو مقدم رکھنا، متبوع کو تابع سے کچھ شرطیں لگالینا اور نسیان پر مواخذہ نہ ہونا اور تین کے عدد کا تکرار میں معتبر ہونا، سواری کشتی کا جائز ہونا اور حکم ظاہر پر ہونا جب تک کہ اس کے خلاف معلوم نہ ہو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اسی بناء پر انکار فرمایا اور احتیاج کے وقت سوال طعام کا جائز ہونا اور احسان کو ترک نہ کرنا اگرچہ نا اہلوں ہی کے ساتھ ہو (چنانچہ باوجود ان اہل قریہ کے طعام نہ دینے کے ان کی دیوار درست کردی) اور اعمال دنیویہ پر اجرت لینا اور آلاتِ اکتساب کے، یا کسی ناکافی چیز کے مالک ہونے سے مسکنت کا باقی رہنا اور غصب کا حرام ہونا، زمین میں مال کے دفن کرنے کا جائز ہونا۔ اور بھی بہت سے فوائد ہیں جو تلاش یا غور سے معلوم ہوسکتے ہیں۔''

حضرت تھانویؒ نے ان سے چند امور مستنبط کئے ہیں۔ ذٰلِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کرسکے۔ اس پر فرماتے ہیں کہ اگر یہ مقصد ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام جو اولوالعزم رسول تھے تو ان پر منکشف ہوتا۔ لہٰذا کسی کام کی جو پوشیدہ حکمتیں ہیں جنہیں مغیبات کہتے ہیں جو حواس انسانی سے پوشیدہ نتائج ہیں ان پر مطلع ہونا ضروری نہیں ہے، مقاصد میں سے نہیں ہے۔ اگر اطلاع کردے تو یہ اللہ کا کرم ہے۔ بندہ شریعت کے اتباع کا مکلف ہے۔ اب اس سے دنیاوی امور میں کیا فائدہ ہوتا ہے، کتنا ہوتا ہے، کس طریقے سے ہوتا ہے؟ اگر یہ چیزیں اللہ منکشف کردے تو اس کی مہربانی، نہ کرے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ان مکاشفات کو یا ان کے جو پوشیدہ امور ہیں ان کو بھی جانتا ہو۔ بلکہ ضروری اللہ کے حکم کی اطاعت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کے متعلقہ احکام تو ان پر اللہ نے منکشف فرمادیئے پھر انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی وہ باتیں جو پوشیدہ تھیں مغیبات میں سے تھیں بتادیں، تو کامل رسول تو موسیٰ ؑ تھے جو کلیم اللہ تھے ان پر منکشف کیوں نہیں ہوئیں؟ تو مغیبات کا منکشف نہ ہونا منافی ولایت کے نہیں ہے اور وہی علم اس شخص کو عطا فرمایا جاتا ہے جس کے متعلق اس کی ذمہ داری لگا دی جاتی ہے۔ تیسرا استدلال یہ ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے سیکھنے کے لیے اتنا لمبا سفر کیا اسی طرح ذکر سیکھنے کے لیے، علم حاصل کرنے کے لئے، علوم دینیہ سیکھنے کے لیے سفر کرنا مستحبات میں سے ہے، کرنا چاہیے، تلاش کرنا چاہیے تاکہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل ہوسکے۔

(جاری ہے)

اکرم التفاسیر

سورۃ طٰہٰ آیات نمبر 13 تا ۲۴

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی 13
اور میں نے آپ کو چن لیا ہے۔ پس جو کچھ وحی فرمایا جارہا ہے اسے سن لیجئے۔
اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ اَقِمِ
بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو میری ہی عبادت کیا کریں
الصَّلٰوۃَ لِذِكْرِیْ 14 اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ
اور میرے ذکر (یاد) کے لیے نماز پڑھا کریں۔ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے ہم اس
اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی 15
کو (تمام خلائق سے) پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں تاکہ ہر شخص اپنی محنت کا بدلہ پائے۔ تو جو شخص
فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ
اس پر یقین نہیں رکھتا اور اپنی خواہشات (نفسانی) پر چلتا ہے آپ کو اس (کے یقین) سے روک
هَوٰىهُ فَتَرْدٰی 16 وَ مَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی 17
نہ دے پھر آپ تباہی میں پڑ جائیں۔ اور اے موسیٰ (علیہ السلام)! یہ آپ کے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟
قَالَ هِیَ عَصَایَ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰی
انہوں نے عرض کیا یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور (کبھی) اس سے اپنی
غَنَمِیْ وَ لِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی 18
بکریوں پر (کے لیے) پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے اور بھی کئی فائدے ہیں۔
قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی 19 فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ
ارشاد ہوا اے موسیٰ (علیہ السلام)! اس کو (زمین پر) ڈال دو۔ سو انہوں نے اس کو ڈال دیا
حَیَّةٌ تَسْعٰی 20 قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ
تو وہ ناگہاں اژدھا بن کر دوڑنے لگا۔ ارشاد ہوا اس کو پکڑ لیں اور ڈریں نہیں ہم ابھی اس کو
سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی 21 وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ
اس کی پہلی حالت پہ کر دیں گے۔ اپنا (داہنا) ہاتھ اپنی (بائیں) بغل میں دے لیں وہ
تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی 22 لِنُرِیَكَ مِنْ
بے عیب روشن ہو کر نکلے گا (یہ) دوسری نشانی ہے۔ تاکہ ہم آپ کو اپنی (قدرت میں
اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی 23 اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی 24
سے) بڑی نشانیاں دکھائیں۔ فرعون کے پاس جائیں کہ بے شک وہ سرکش ہو رہا ہے

جب موسیٰ علیہ السلام وادی طویٰ میں پہنچے تو ارشادِ باری تعالیٰ ہوا وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ ہم نے آپ کو نبوّت ورسالت کے لیے منتخب فرمالیا ہے فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی 13 سو بڑے غور سے، پوری توجہ سے جو وحی آپ ﷺ پر آتی ہے، سنئے۔ گویا اخْتَرْتُكَ کا معنی تھا کہ آپ کو نبوّت کے لیے چن لیا گیا ہے، آپ اللہ کے نبی مبعوث ہو گئے ہیں۔ نبیؑ، ازلی نبی ہوتے ہیں اور تخلیقی طور پر اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو نبوت کے لیے پسند فرمالیا ہے، چن لیا ہے۔ نبیؑ ہر حال میں نبی ہوتا ہے اور ازل سے تخلیقی طور پر چن لیا جاتا ہے اور ہمیشہ نبوت ہی وہ صفت ہے جو نبیؑ کی ذات کا وصف بن جاتی ہے دنیا میں بھی، آخرت میں بھی، برزخ میں بھی، جنت میں بھی نبیؑ، نبیؑ ہوگا۔ تو فرمایا، آپ کو نبوت کے لیے منتخب فرمالیا یعنی آپؑ نبی مبعوث ہو گئے ہیں۔ نبیؑ جب مبعوث ہوتا ہے تو تب اعلانِ نبوت کا مکلف ہوتا ہے اور پھر اس پر وحی شروع ہوتی ہے اور جو احکامِ الٰہی آتے ہیں وہ آگے پہنچاتا ہے تو فرمایا فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی آپ پر جو وحی کی جارہی ہے وہ پوری توجہ سے سنیے۔ اللہ کا نبی بنیادی طور پر عقائد بیان فرماتا ہے لیکن عقائد کا تعلق کردار اور اعمال سے ہے۔

ایک آدمی کہتا ہے میں اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہوں اور عملاً بتوں کو سجدے بھی کرتا ہے، ایک آدمی کہتا ہے میں اللہ کو اپنا خالق و مالک مانتا ہوں اور نافرمانی بھی کرتا ہے، اسے اس بات کا پتا ہی نہ ہو کہ اللہ کی رضا کس بات میں ہے اور اللہ کس بات پر خفا ہوتے ہیں۔ تو اللہ کا نبی اور رسولؑ عقیدہ اور ایمان بھی بتاتا ہے اور اعمال و کردار بھی، پوری زندگی کا نصابِ حیات بھی بیان فرماتا ہے۔ ذاتی معاملات ہوں یا خاندانی، ملکی ہوں یا بین الاقوامی، ہر شعبۂ زندگی میں اللہ کا نبی رہنمائی فرماتا ہے۔ اور وہی حق ہے جو اللہ کا نبی ارشاد فرماتا ہے، اس کے باہر جانا جرم ہے، گناہ ہے، نافرمانی ہے۔ سو فرمایا، آپ پوری توجہ سے سنیے۔ سب سے بنیادی بات تو یہ ہے کہ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ یقیناً میں ہی اللہ ہوں اور میرے سوا کسی کو عبادت کا کوئی حق نہیں کسی کو کوئی حق نہیں کہ وہ مخلوق سے اپنی عبادت کرائے لہٰذا فَاعْبُدْنِیْ صرف میری ہی عبادت کی جائے۔ یہ بڑا نازک سا مقام ہے اور اسے خوب سمجھنا چاہیے کہ عبادت صرف نماز روزہ یا رکوع و سجدہ ہی نہیں ہے، نفع کی امید پر یا نقصان کے ڈر سے جب ہم کسی کی اطاعت کریں تو وہ عبادت بنتی ہے۔

اب اگر اللہ کے حکم پر عمل کیا جائے تو درمیان میں تو کوئی نہیں آتا کہ اللہ کے نبی نے پہنچایا اور اللہ کا حکم بندے نے مان لیا لیکن جب وہ بندوں سے امیدیں وابستہ کر کے ان کی اطاعت میں خلافِ شریعت کام کرتا ہے، اسے یہ اُمید ہوتی ہے کہ اس سے مجھے کچھ فائدہ ملے گا اور اگر نہیں کروں گا تو میرا نقصان ہوگا تو یہ عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ کا حق ہے۔ دوسروں کی عبادت کرنا شرک شمار ہوتا ہے۔ فرمایا: وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ﴿۱۴﴾ اور میرے ذکر، میری یاد کے لیے صلوٰۃ ادا کیجیے، نماز پڑھا کیجیے۔ تو نماز کیا خود ذکر نہیں ہے؟ اللہ کی عظمت بیان ہوتی ہے، تکبیر میں حمد و ثنا ہوتی ہے، اللہ سے اپنی گزارشات پیش کی جاتی ہیں، رکوع و سجود میں عظمتِ الٰہی کی تسبیحات ہوتی ہیں، اللہ کی حمد و ثناء، نبی کریم ﷺ پر درود، اللہ کی وحدانیت اور آپ ﷺ کی رسالت کی شہادت تو یہ سارا ذکر ہی ہے اور بہترین ذکر ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ذکرِ دوام ہے؟ یہ ذکرِ دوام نہیں ہے۔ جتنے لمحے بندہ نماز یا صلوٰۃ میں رہتا ہے یقیناً وہ ذکر کرتا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا دل کو بھی حضوری حاصل ہے؟ اگر نماز میں ہم اٹھتے بیٹھتے، سجدہ کرتے بھی رہیں اور دل کہیں اور گھومتا رہے وہ بات دل میں نہ اترے تو کیا حضوری حاصل ہے؟ ایسے بھی نمازی ہوتے ہیں جو لوگوں سے پہلے نماز ختم کر کے باہر سے جوتے اٹھا لیتے ہیں تو گویا انہوں نے زبانی زبانی عبارت دہرائی، ان کے دل پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا، اگر دل ساتھ شامل ہوتا تو مسجد میں چوری تو نہ کرتا۔

ہم میں سے اکثر ایسے ہیں کہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ہر برائی بھی کر لیتے ہیں، جہاں رزق کا موقع ملتا ہے جائز ناجائز وسائل سے جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں، جہاں معاملات آتے ہیں وہاں خلافِ شریعت چلتے ہیں، تو ہماری وہ صلوٰۃ ہمیں روکتی کیوں نہیں؟ جبکہ قرآن کریم تو فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ (العنکبوت: ۴۵) نماز برائی اور بے حیائی سے روک دیتی ہے۔ ہمیں کیوں نہیں روکتی؟ اس لیے کہ ہم صحیح نماز ہی ادا نہیں کرتے۔ کچھ الفاظ یاد ہیں وہ دوہرا دیتے ہیں، اٹھ بیٹھ لیتے ہیں، سجدہ رکوع کر لیتے ہیں لیکن اس کا حق ادا نہیں کرتے۔ اس میں حضورِ حق حاصل ہونا چاہیے۔

صلوٰۃ کا تو عالم یہ ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا، آپ ﷺ کے ارشاد کا ترجمہ یہ ہے نمازی کے آگے سے نہ گزرو فانہ یناجی ربۃ او کما قال رسول اللہ ﷺ (بخاری) وہ تو اپنے پروردگار سے سرگوشیوں میں اپنا حالِ دل کہہ رہا ہے تم درمیان میں مت آؤ، آگے سے نہ گزرو۔ اب ایک بندہ جس کو اللہ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہے، متعدد رکعتیں پڑھے، متعدد رکوع کرے، متعدد سجدے کرے تو پھر کیسے وہ باہر نکل کر اللہ کی نافرمانی کر سکتا ہے؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا دل ساتھ نہیں ہوتا، نماز کی وہ کیفیات دل میں نہیں اترتیں، ہم خانہ پری کر لیتے ہیں۔ اٹھے بیٹھے، سجدہ رکوع کیا اور پھر جو جی میں آیا وہ کر لیا اس لیے فرمایا: وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ میری یاد کے لیے نماز ادا کریں یعنی نماز ادا کرنے سے دل میں اللہ کی یاد بس جائے۔ بات کرتے وقت بھی اللہ کی یاد دل میں ہو اور کوئی خلافِ شرع لفظ منہ سے نہ

نکلے، کام کرتے وقت اللہ کی یاد سینے میں ہو، اللہ کی یاد جذب ہوجائے، دل میں قائم ہوجائے، اس لیے ذکر دوام کی ضرورت پر قرآن کریم نے زور دیا ہے کہ میری یاد ما حصل ہے، ذکر الٰہی ساری عبادتوں کا بھی حاصل ہے کہ اللہ کی یاد دل میں، سینے میں رچ بس جائے۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ⑮ یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی رائی برابر شبہ نہیں ہے۔لیکن اللہ کریم کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا وقت مخفی رہے۔ یہ اتنا بڑا حادثہ ہے کہ اگر لوگوں کو بتا دیا جائے تو ان کی زندگی اجیرن ہوجائے، وہ زندہ نہ رہ سکیں۔ کسی کو موت کا وقت بتا دیا جائے تو اس کے اعضاء وجوارح شل ہوجاتے ہیں۔ آپ نے کبھی دیکھا ہو جن لوگوں کو سزائے موت ہوجاتی ہے وہ اس چھوٹی سی کوٹھڑی میں بھی پر اُمید بیٹھے ہوتے ہیں کہ خیر ہے ابھی بہت فرصت ہے، ابھی اپیل منظور ہوجائے گی، فلاں ہوجائے گا، فلاں ہوجائے گا لیکن جب آخری حکم آجاتا ہے جسے وہ بلیک وارنٹ کہتے ہیں سیاہ وارنٹ، وہ Order آجاتا ہے کہ اسے فلاں تاریخ کو اتنے بج کر اتنے منٹ پر پھانسی پر لٹکا دیا جائے تو وہ عموماً اگر آج آتا ہے تو کل بندے کی پھانسی ہوتی ہے۔ پھر وہ اس کے بیوی بچوں کو بھی اطلاع دیتے ہیں کہ آج آکر ملاقات کرلو، اسے رات کو پھانسی دے دی جائے گی، جب اسے یقین ہوجاتا ہے کہ اس رات کو یا سحری کو اسے پھانسی مل جائے گی تو وہ لمحات ایسے ہوتے ہیں کہ اس کے حواس مختل ہوجاتے ہیں۔ ہم جیل میں ایک ایسے آدمی سے ملنے گئے تھے، جیل میں تو اس کے بیوی بچے کوٹھڑی کے باہر بیٹھے تھے وہ پوچھتا تھا کہ یہ بچے کس کے ہیں؟ حالانکہ اس کے اپنے بچے تھے۔ صرف اس خبر نے کہ کل صبح مجھے مرنا ہے اس کے حواس مختل کردیئے۔ اور اگر قیامت کی خبر مخلوق کو ہو کہ فلاں دن، فلاں وقت ساری دنیا تباہ ہوجائے گی، تو زندہ مخلوق تو زندہ نہیں رہ سکتی۔ سو فرمایا، یہ اتنی بڑی خبر ہے کہ اللہ کو یہ پسند تھا کہ اَكَادُ اُخْفِيْهَا اللہ چاہتے تھے کہ اسے پوشیدہ رکھیں اور جب یہ قائم ہو لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى تو پھر ہر ایک کو وہ بدلہ دیا جائے جس کے لیے وہ دنیا میں محنت کرتا تھا، جس کے لیے وہ کاوش کرتا رہا۔ اب ہر بندہ اپنا جائزہ لے سکتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ کس لیے ہے۔ اگر تو شریعت کے مطابق مزدوری کرتا ہے، تجارت کرتا ہے دولت حلال طریقے سے کماتا ہے تو یہ بھی آخرت کے لیے ہے، دنیا کی سہولت بھی ہے اور آخرت کا اجر بھی ہے؟ اگر خلافِ شریعت محنت کرتا ہے تو پھر وہ صرف دنیا کے لیے ہے اور آخرت میں اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ تو فرمایا، کون کس کے لیے محنت کرتا رہا اس کا مدعا کیا تھا، اس کے مطابق اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ⑯ فرمایا، روئے زمین پر بے شمار بدنصیب لوگ ایسے ہیں جنہیں نہ قیامت کا یقین ہے، نہ آخرت کے اجر کو مانتے ہیں۔ جن کے ذہن میں صرف دنیا بسی ہوئی ہے، ہر جائز ناجائز طریقے سے، خوشامد سے، چوری سے، زوری سے دولت جمع کرنا چاہتے ہیں یا صرف اقتدار چاہتے ہیں۔ تو اللہ کریم اپنے بندوں سے خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ تمہیں قیامت کے یقین اور اللہ کی اطاعت سے نہ روک سکیں، اتنا مضبوط یقین رکھو اور اتنا مضبوط عمل ہونا چاہیئے کہ یہ بدنصیب جو اس یقین سے محروم ہیں وہ تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جاسکیں۔

آج کل ہمارا ایک رجحان ہے کہ ہم پیسے کمانے کے لیے کہیں بھی جانے کو تیار ہیں، اور بڑے مزے کی بات ہے یہاں پاکستان میں ہم کام نہیں کرنا چاہتے۔ کوئی کام کرنا پسند ہی نہیں کرتے۔ ہر بندے کی خواہش ہے کہ ہم باہر چلے جائیں پھر جن کا کوئی سبب بن جاتا ہے مغربی ممالک میں چلا جاتا ہے، وہاں جاکر پھر شور ہوتا ہے کہ یہاں کھانے کو حلال نہیں ملتا اب ہم کیا کریں؟ جی فلاں نہیں ہوتا، جی بے پردگی ہے، جی یہ ہے وہ ہے، پھر وہاں جاکر انہیں خیال آتا ہے۔ تو اسی آیت میں یہ مسئلہ بھی حل کردیا کہ جسے کفار میں جاکر بھٹک جانے کا خطرہ ہو وہ ان سے اجتناب کرے۔ علماءِ حق نے اس کی تشریح کی ہے کہ ایک بندے وہ ہوتے ہیں جو کفار کے درمیان بھی چلے جائیں تو کسی نہ کسی کافر کو اپنے ساتھ مسلمان بنا لیتے ہیں اور ان کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت ملتی ہے، ان کی وجہ سے لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے، ایسے لوگوں کا جانا ضروری ہے

کہ وہ جائیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کسی کافر کو مسلمان نہیں کر سکتے تو خود کفار کی تہذیب میں نہیں ڈھلتے اپنے آپ کو بچا رکھتے ہیں، ان کے لیے جانا جائز ہے۔ کچھ ایسے ہیں جو مجبور ہو کر انہی میں گھل مل جاتے ہیں، ایسوں کا جانا حرام ہے، انہیں کفار سے بچنا چاہیے۔ جن کو اپنے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے انہیں وہاں نہیں جانا چاہیے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا... جو قیامت کو مانتا ہی نہیں، کہیں وہ آپ کو بھی بھٹکا نہ دے۔ وہ تو اپنی خواہشات کی پیروی میں لگا ہوا ہے فَتَرْدٰی اگر تم لوگ بھی اس کے ساتھ مل جاؤ گے تو تباہ ہو جاؤ گے، نام مسلمانوں جیسا رہے تو کیا فرق پڑتا ہے جب نظریہ، عقیدہ، کردار کافروں جیسا ہو گیا تو نام سے کیا ہوتا ہے؟ پھر یاد رکھیں ایمان اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے، ایمان مضبوط ہو تو اعمال ایمان کا نتیجہ ہوتے ہیں کیونکہ مومن ہے اس لیے اس پہ کام کر رہا ہے۔ لیکن جب اعمال میں خرابی آئے جس طرح ساری شاخیں تنے سے نکلتی ہیں اور تنا مضبوط ہے ہرا بھرا ہے تو شاخیں مضبوط رہتی ہیں لیکن اگر شاخیں سوکھنا شروع ہو جائیں تو سوکھتے سوکھتے سب شاخیں سوکھ جائیں تو بالآخر تنا بھی سوکھ جاتا ہے۔ اسی طرح ایمان تنا ہوتا ہے کردار شاخیں ہوتی ہیں، ایمان مضبوط ہوتا ہے تو شاخیں ہری بھری ہوتی ہیں، کردار صحیح رہتا ہے اور اعمال درست ہوتے ہیں لیکن اگر شاخیں سوکھنا شروع ہو جائیں، اعمال بگڑنا شروع ہو جائیں، بندہ گناہ میں مبتلا ہو جائے تو بالآخر وہ ایمان کو بھی لے ڈوبتا ہے، وہ تنے کو بھی خشک کر دیتی ہیں۔ تو فرمایا، جو قیامت کے قائل نہیں ہیں یا جن کا کردار اللہ کی اطاعت نہیں کرتا ان میں مل جل کر تم بھی ویسے ہی ہو گئے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ایمان بھی ضائع ہو جائے۔

فَتَرْدٰی آخر ان کے ساتھ تم بھی تباہ ہو جاؤ پھر ارشاد ہوا وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿١٧﴾ موسیٰؑ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ اللہ کریم تو ہر چیز سے، ہر وقت آگاہ ہیں یہ سوال پوچھ کر انہیں اس طرف متوجہ کرنا مقصود تھا کہ دیکھو آپ کے ہاتھ میں کیا ہے۔ موسیٰؑ نے جواب دیا۔

قَالَ هِیَ عَصَایَ رب العالمین! یہ میرا عصاء ہے، یہ لاٹھی ہے اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىْ وَلِىَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿١٨﴾ اب کلامِ الٰہی کی لذت کو اللہ کا نبی اور رسول ہی جانے جس سے اللہ کا کلام ہوا۔ ہماری قوم کا المیہ یہ ہے کہ وہ جو کہا گیا تھا ''دِلے دارند ومحبوبے ندارند'' کہ دل تو سینے میں ہے لیکن اس کا کوئی محبوب نہیں ہے۔ کسی کا کسی شیخ سے تعلق ہوا اور وہ شیخ واقعی اللہ کا بندہ ہو تو اس سے بات کرنے میں کیا مزہ آتا ہے اور کسی کا تعلق رسول اللہ ﷺ سے ہو اور حضور ﷺ کا صحابیؓ ہو اور حضور ﷺ اس سے ہم کلام ہوں تو اس کلام کی لذت کیا ہے، یہ میں اور آپ نہیں سمجھ سکتے، یہ لذت وہی جانتے ہیں جن کو نصیب ہوئی ہے۔ شرفِ ہم کلامی تو بہت بڑی بات ہے وہ تو سارا دن بیٹھ کر دیکھتے رہنے میں ہی محو رہتے تھے۔ پھر کسی کو اللہ سے شرف ہم کلامی نصیب ہو تو اس میں کیا لذتیں ہوں گی؟ تو موسیٰؑ نے، جب وہ شرفِ ہم کلامی اور لذت اور تجلیات وانوارات کی بارش میں کھڑے تھے تو بات کو لمبا کر دیا۔ سوال تھا، ہاتھ میں کیا ہے؟ هِیَ عَصَایَ بات ختم ہو گئی، یہ میرا عصاء ہے یعنی ادب ہے بارگاہِ الوہیت کا کہ مختصر اور بامقصد جواب دیں اور یہ قاعدہ ہے کہ بات مختصر کی جائے اور مطلب کی کی جائے۔

میرے پاس بھی خطوط آتے ہیں، آپ ہی لکھتے ہوں گے۔ میں جواب دیتا ہوں تو اس میں مطلب کی بات ہوتی ہے خواہ ایک سطر ہو یا دو ہوں یا تین ہوں۔ جو خط مجھے آتا ہے وہ لگتا ہے اخبار ہے۔ جب کھولتے ہیں تو پورا صفحہ، بات کام کی صرف ایک ہوتی ہے، دو جملے یا تین جملے، باقی ساری فضول باتیں ہوتی ہیں۔ پہلے تو لکھا ہوتا ہے آپ بڑے اچھے ہیں، پھر آپ کو اللہ صحت دے آدھا صفحہ تو اس میں خرچ ہو جاتا ہے، پھر دو جملے اپنی بات کے ہوتے ہیں پھر آدھا صفحہ فضولیات میں۔ کیا فائدہ خط لکھنے کا؟ بات کرنے کا بھی ایک سلیقہ ہے، بات مختصر ترین ہو اور بامقصد ہو، لفاظی کا کیا فائدہ؟ مقرر کے لیے بھی چاہیے کہ تقریر کرتا ہے تو بامقصد کرے اور غیر ضروری حاشیہ آرائی نہ کی جائے۔ استاد کو چاہیے، بچوں کو پڑھاتا ہے تو بامقصد مفہوم بتائے، لمبی حاشیہ آرائی بچوں کو بھی بھلا دیتی ہے اور بیان کرنے کے لیے، لکھنے کے لیے بھی چاہیے کہ

انداز ے سے ہو۔ تو یہاں تو حد ادب تھی۔ موسیٰ ؑ نے عرض کر دیا، رب العالمین! یہ میری لاٹھی ہے، بات ختم ہو گئی لیکن وہ آگے لے گئے بات کو اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ میں اس پر ٹیک بھی لگاتا ہوں، اس سے اپنا ریوڑ بھی چراتا ہوں۔ یہاں مفسرین کرام نے بڑی خوبصورت بحثیں کی ہیں کہ اللہ کے نبی تو سب سے زیادہ مؤدب ہوتے ہیں تو یہ تو اللہ کے اولوالعزم رسول ہیں، دنیا کو ادب تقسیم کرنے والے، سکھانے والے، عطا کرنے والے ہیں تو یہ تو خود انہوں نے بات لمبی کر دی کہ یہ میرا عصاء ہے، اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں، اس سے میں ریوڑ چراتا ہوں، اتنی لمبی بات کیوں کر دی؟ پھر وہ فرماتے ہیں، وہ کیا خوب شعر ہے کسی کا ؎

بیک لفظے تواں گفتن تمنائے جہانے را

ساری دنیا کی بات ایک لفظ میں کی جاسکتی ہے۔ آپ کسی بات کے جواب میں صرف ہاں کہہ دیں یا ناں کہہ دیں، بات ختم ہو جاتی ہے۔ ایک لفظ میں دنیا بھر کی کوئی بات، کوئی معاملہ ایک لفظ میں ختم کیا جاسکتا ہے۔

بیک لفظے تواں گفتن تمنائے جہانے را
مَن از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

میں نے تو جب آپ سے بات ہوئی تو بات کی لذت لینے کے لیے بات کو لمبا کر دیا:

مَن از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

میں نے تو حضوری کے شوق میں، شرفِ ہم کلامی کی لذت میں گم ہو کر بات کو لمبا کر دیا۔ تو فرماتے ہیں جب انہیں شرفِ ہم کلامی نصیب ہوا تو اس میں محو ہو کر انہوں نے بات کو لمبا کر دیا هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ یہ میرا عصا ہے میں اس پر ٹیک بھی لگاتا ہوں اس سے اپنا ریوڑ چراتا ہوں پھر دفعتاً بات کو مختصر بھی کر دیا کہ حد ادب سے نہ گزرے وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى اس سے میں اور بھی بہت سے کام لیتا ہوں۔ یہ انداز ہے انبیاء ؑ اور مرسلین کا کہ ذوقِ حضوری میں بات کو لمبا بھی کر دیا اور بات کی لذت میں محو ہو گئے لیکن حد ادب سے آگے نہیں جانے دیا، یکدم ختم بھی کر دیا۔ عرض کی، میں اس سے اور بھی بہت سے کام لیتا ہوں، اب وہ کام نہیں گنوائے۔ یہ میرا عصاء ہے اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں، اس سے میں بکریاں چراتا ہوں یارب العالمین اور بھی بہت سے کام لیتا ہوں۔ لذت ہم کلامی کے لیے اسے لمبا بھی کیا اور حد ادب کے لیے یکدم مختصر بھی کر دیا۔ یہ شان ہوتی ہے اللہ کے محبوب بندوں، اللہ کے نبیوں رسولوں کی قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ⑲ باری تعالیٰ نے فرمایا، موسیٰ اسے ہاتھ سے پھینک دیجیے اَلْقِهَا جب ارشاد ہوا تو انہوں نے ہاتھ سے پھینک دیا فَاَلْقٰهَا جب انہوں نے لاٹھی کو پھینکا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ⑳ ان کا پھینکنا تھا کہ ناگہاں وہ تو ایک اژدھا بن گئی، پھر اژدھا پھنکارنے لگا اور اِدھر اُدھر بھاگنے لگا تو پھر ارشادِ باری ہوا قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ... موسیٰ ؑ اسے پکڑیں، ڈریں نہیں، انبیاء اور رسل اللہ کے مقرب انسان ہوتے ہیں انسانی خصوصیات ان میں بھی فطری ہوتی ہیں۔ جب ایک لاٹھی پھینکی اور ایک بہت بڑا اژدھا بن گیا تو یہ خوف موسیٰ ؑ کو بھی آیا۔ تو فرمایا، وَلَا تَخَفْ موسیٰ ؑ اس میں ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے آپ اسے پکڑلیں سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ㉑ اب آپ پکڑیں گے ہم اسے پھر لاٹھی بنا دیں گے چنانچہ موسیٰ ؑ نے پکڑا تو وہ ہی لاٹھی تھی۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ㉒ اب اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں بغل میں دبائیں آپ نکالیں گے تو وہ بے عیب روشن ہو کر نکلے گا، اسی طرح آپ ؑ دوبارہ رکھتے تو نارمل ہو جاتا۔ فرمایا، یہ دوسری نشانی ہے۔ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى تاکہ ہم آپ کو اپنی قدرت کی بڑی نشانیاں دکھائیں، اور بھی آپ کو بہت سے نشان عطا ہوں گے۔ چنانچہ موسیٰ ؑ کو بہت سے معجزات عطا ہوئے جن میں بہت بڑا معجزہ یہ تھا کہ لاٹھی کو پھینکتے تو بہت بڑا اژدھا بن جاتا، اور ہاتھ بغل میں دے کر نکالتے تو وہ چاند کی طرح روشن، منور ہو جاتا، بے داغ۔ چاند پر تو داغ بھی ہے یہاں بے داغ ہوتا تھا بیضاء من غیر سوء ایسا سفید ہوگا کہ جس میں کوئی داغ نہیں ہوگا کوئی اس میں نقص نہیں ہوگا، تو یہ دو معجزات عطا ہوئے۔

معجزات و کرامات کا مقصد: معجزات انبیاء علیہم الصلوٰۃ

والسلام کے لیے اللہ کا پیغام پہنچانے اور اپنی نبوت کے اثبات کے لیے ہوتے ہیں تا کہ اس سے ثابت ہو جائے کہ یہ اللہ کا نبی ہے اور لوگ ان کے ارشادات کو سنیں کہ یہ اللہ کا نبی ہے۔ اثباتِ نبوت کے لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو معجزات عطا ہوتے ہیں، اولیاء اللہ کو کرامات عطا ہوتی ہیں اور وہی معجزات کرامت بن کر ولی کے ہاتھ سے صادر ہوتے ہیں۔ تو کرامت وہ ہوتی ہے جس سے دین کا اثبات ہو، دین کی حقانیت کا اثبات ہو، دین کی سچائی کا اثبات ہو۔ کچھ عجیب طرح کے کمالات دکھا کر لوگوں سے پیسے بٹورنا یہ استدراج ہوتا ہے کرامت نہیں۔ کرامت نہ دنیا حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے نہ شہرت حاصل کرنے کے لیے، کرامت ہوتی ہے دین کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے اور ولی کا معجزہ باتباع نبی ولی میں بطور کرامت آتا ہے۔ نبی کا معجزہ فعل اللہ کا ہوتا ہے، صادر نبی کے ہاتھ سے ہوتا ہے۔ ولی کی کرامت فعل اللہ کا ہوتا ہے، معجزہ نبی کا ہوتا ہے، صادر ولی کے ہاتھ پہ ہوتا ہے۔ دین کی تائید کے لیے شعبدے دکھا کر دولت کمانا، شہرت کمانا، اپنی بڑائی منوانا یہ نہ ولایت، او رنہ یہ کرامت ہے، یہ شعبدے ہیں۔

جس کام کا مقصد حصولِ دنیا ہو وہ کام دین نہیں ہوتا۔ دین وہ کام ہے جس کا مقصد عظمتِ الٰہی کا اثبات ہو، حقانیتِ رسالت کا اثبات ہو، لوگوں کے اعمال میں، کردار میں، عقیدے میں، نظریہ میں اصلاح ہو۔ تو یہ معجزات کیوں عطا ہوئے موسیٰ ؑ کو؟ فرمایا: اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿24﴾ آپ کو اس لیے معجزات بخشے گئے ہیں کہ آپ فرعون کے پاس جائیں وہ حد سے گزر چکا ہے۔ اب یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ آپ عام لوگوں میں تبلیغ کرتے اور پھر بالآخر اکثر لوگ جب مسلمان ہو جاتے تو فرعون بھی توبہ کر لیتا لیکن اللہ نے طریقۂ تبلیغ یہ بتایا کہ سیدھے فرعون سے بات کرو اگر فرعون کو توبہ نصیب ہو گئی تو یہ عوام، ساری قوم مسلمان ہو جائے گی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی عادتِ مبارک تھی کہ آپ قوم کے سرداروں کے پاس تشریف لے جاتے تھے تو بڑے لوگوں کے سرداروں کے پاس جانے سے اگر کوئی ایک بڑا آدمی سدھر جائے تو بے شمار لوگ جو اس سے وابستہ ہوتے ہیں ان کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ تو یہاں فرمایا: اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى موسیٰ ! جایئے فرعون کے پاس وہ تو حد سے گزر چکا ہے، وہ خود کو ربِ اعلیٰ کہتا تھا اگر کوئی اور رب ہے بھی تو ہوا کرے میں سب سے بڑا رب ہوں۔ اپنی عبادت، اپنی ذات کو سجدے کرواتا تھا، خدا کہلاتا تھا، بہت بڑی فوجی طاقت تھی، بہت بڑا لشکر تھا اس کا، بہت امیر ریاست تھی، بہت بڑا خزانہ تھا، بہت زیادہ وسائل تھے۔ تو فرمایا اس کے پاس دولت بھی ہے، لاؤ لشکر بھی ہیں، افرادی قوت ہے لیکن آپ کے پاس حق ہے، آپ اللہ کے برحق نبی اور رسول ہیں اور آپ کے پاس معجزات ہیں، آپ کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ آپ سیدھا فرعون کے پاس جائے۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى وہ حد سے گزر چکا ہے اب مزید اسے مہلت نہیں ملنی چاہئے۔ اس سے بات کی جانی چاہئے، آپ تشریف لے جائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

دعائے مغفرت

دہاڑی بورے والا سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ماسٹر غلام حیدر
لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی رئیس احمد صدیقی
ڈجکوٹ فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی عبدالحمید گجر کے والد
منصور آباد فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد رضوان اعوان
فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی چوہدری محمد طاہر مرحوم کی اہلیہ
فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد عثمان اور ذیشان کی والدہ محترمہ
کلر سیداں راولپنڈی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد اصغر کی والدہ محترمہ
راولپنڈی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد زاہد ملک کے والد محترم
ڈحل قاضیاں، باغ، آزاد کشمیر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی مشتاق صاحب
فورٹ عباس بہاولنگر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی غلام رسول کی والدہ محترمہ
فورٹ عباس بہاولنگر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد اسلم کی اہلیہ محترمہ
فورٹ عباس بہاولنگر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ریاض الحق کے والد محترم
فقیر والی ضلع بہاولنگر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد امین مہار کی بیٹی
گوجرانوالہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی رانا محمد ندیم کے والد محترم
مرالہ منڈی بہاءالدین سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی چوہدری منظور حسین
وفات پا گئے ہیں۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور ان کے جواب

(22 جولائی 2014ء)

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

سوال: یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا۔۔۔(التحریم:6) اے ایمان والو! خود کو اور اپنے گھر والوں کو آگ (دوزخ) سے بچاؤ۔ انسان مرد ہو یا عورت اللہ کی توفیق سے اپنی جان کو دوزخ کے عذاب سے بچانے کا اہتمام اور کوشش کرتا ہے، بات یہ ہے کہ اس میں اَھْلِیْکُمْ میں کون کون لوگ شامل ہیں؟

جواب: جہاں اہل کا لفظ آتا ہے وہاں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جن کے اخراجات اس کے ذمے ہوں، گھر میں بیوی ہے، بچے ہیں، بوڑھے والدین ہیں جن کا نان ونفقہ مرد کے ذمے ہے یعنی جن کے اخراجات اس کے ذمے ہوتے ہیں وہ اس کے اہل ہوتے ہیں۔ جب لفظ آل آتا ہے تو اس میں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو اس کی بات سنتے ہیں، مانتے ہیں، اس کے ساتھ متفق ہیں یا اس کے پیروکار ہیں۔ آل عام ہے، اہل خاص ہے ان لوگوں کے لیے جن کا نان ونفقہ اس کے ذمے ہوتا ہے۔ اب آگے سوال یہ ہے کہ اگر:

سوال: خاوند ہے تو بیوی کو اور بیوی ہے تو خاوند کو کس حد تک دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش اور تلقین کر سکتے ہیں؟

جواب: یہ ہماری روزمرہ زندگیوں کا سوال ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تلقین کرنے کے لیے خود عمل کرنا ضروری ہے۔ خاوند ہے تو اس کو چاہیے کہ رزقِ حلال کمائے اور جائز اخراجات پورے کرے، اپنی زندگی کو دین کے مطابق ڈھالے۔ ایک بندہ خود جھوٹ بولتا ہے اور بچوں کو تلقین کرتا ہے کہ جھوٹ نہ بولنا، اس کی زبانی تلقین کا اثر نہیں ہوتا، اس کے عمل کا اثر آگے جاتا ہے۔ ایک بندہ خود ناجائز پیسے کما کر لاتا ہے، چوری سے، رشوت سے، ہیرا پھیری سے یا سود لے آتا ہے اور بچوں سے کہتا ہے حرام سے بچنا تو وہ پھر مذاق ہے۔ جب آپ انہیں حرام کھلا رہے ہیں تو حرام سے بچنے کی تلقین کا کیا فائدہ؟ اگر مرد ہے تو اسے سب سے پہلے یہ چاہیے کہ خود باعمل ہو۔ تلقین کرنے کے لیے دو باتیں شرط ہوتی ہیں، ایک علم کا ہونا، جس بارے تلقین کرنا چاہتا ہے اس کے متعلقات جانتا ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر بندہ بہت بڑا عالم ہو لیکن جائز وناجائز، حلال وحرام، یہ جتنے فرض ہیں ان کا جاننا بھی فرض ہے۔ نماز فرض ہے تو نماز کے بارے جاننا بھی فرض ہے، روزہ فرض ہے تو روزے کے بارے جاننا بھی فرض ہے۔ یہ تو جانتا ہو کہ روزہ بند کرنے کا، روزہ کھولنے کا وقت کون سا ہے، کس بات سے مکروہ ہوتا ہے، کس سے ٹوٹ جاتا ہے؟ کیا عمل کرنا ہے، اس میں کس طرح رہنا ہے؟ یہ نہیں جانے گا تو کرے گا کیسے؟ خود باعمل ہونا ضروری ہے۔

خاوند کو تھوڑا سا اختیار ہوتا ہے، وہ سختی سے بھی کہہ سکتا ہے لیکن تب، جب خود عامل ہو۔ سختی کی حد گالی گلوچ نہیں ہے، سختی کی حد مار پیٹ نہیں ہے۔ گالی گلوچ نہیں کر سکتا، مار پیٹ نہیں کر سکتا، تلقین کر سکتا ہے، سمجھا سکتا ہے، ناراض ہو سکتا ہے اور ایک حد تک یہ کر سکتا ہے۔ اگر بیوی ہے تو وہ تو بڑی آسانی سے کر سکتی ہے۔ اصل میں ہمارے ہاں ایک طریقہ بن گیا ہے کہ بیویاں حکومت کرنا چاہتی ہیں، بیویاں خاوندوں کو ماتحت کرنا چاہتی ہیں، جو میں کہوں وہ ہو جائے۔ میاں بیوی کے تعلقات اللہ کریم نے ایسے بنائے ہیں کہ بیوی کو چاہیے کہ خاوند پر حکومت نہ کرے، خاوند کو اپنا محتاج کرلے۔ محتاج کس طرح کرلے؟ اس طرح، اس کی خدمت کرے کہ اس کا گزارہ بغیر بیوی کے مشکل ہو۔ ایک دن بیوی گھر پہ نہ ہو تو اسے ویران سا لگے۔ کپڑے استری کر کے دے دیئے، نہانے کے لیے پانی گرم کر کے دے دیا، جرابیں پکڑا دیں کہ یہ پہنو، جوتا اٹھا کر پکڑا دیا کہ یہ پہنو۔ ایک دن بیوی نہیں ہوگی تو پھر

وہ بھی ادھر اُدھر دیکھے گا کہ اب جوتا کہاں تلاش کروں، جرابیں کہاں سے تلاش کروں۔ کھانا لا کر دے دیا، اس طرح سے خدمت کرے کہ خاوند اپنی زندگی کو بیوی کے بغیر ادھورا سمجھے۔

ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ خاوند اپنی حکومت بنانے میں لگا رہتا ہے، بیوی کہتی ہے میری حکومت ہونی چاہیے۔ پھر لڑائی ہوتی ہے۔ حکومتیں تو جان مار کر لی جاتی ہیں، یا مر جاؤ یا مارو۔ تو گھروں میں ہمارے جھگڑے حکومت کے ہیں۔ بیویوں کو یہ شعور نہیں ہے کہ وہ حکومت تو کر سکتی ہیں لیکن خدمت کر کے خاوند کو اپنا محتاج بنالو۔ کھانا کھا رہا ہے تو کہیں، یہ پلیٹ ہے اس میں کھائیں، یہ روٹی گرم ہے یہ کھائیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں لیکن یہ بندے کو محتاج بنا لیتی ہیں۔ وہ بیوی کے بغیر کھانا بھی نہ کھا سکے، کپڑے نہ بدل سکے، جوتے نہ پہن سکے، تو بیوی کو چاہیے کہ اس طرح کے طریقے اختیار کرے کہ خاوند یہ چاہے کہ بیوی ہو تو میرا یہ کام کر دے۔ اب پانی کا کولر پاس رکھا ہے لیکن وہ کہہ سکتا ہے، کہاں گئی ہو پانی پلا دو۔ کولر تو یہ پاس رکھا ہے، پانی تو پی سکتا ہے لیکن بیویاں جنہیں اللہ توفیق دیتا ہے تو وہ اس طرح خدمت کرتی ہیں کہ بندہ محتاج ہو جاتا ہے۔ ریڈیو پر وعظ کہنے کے بجائے عملاً جو کیا جاتا ہے اثر اس کا ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں کتنا وعظ ہوتا ہے، کتنے رسالے دینی نکلتے ہیں، اب یہ رواج ہو گیا ہے کہ ہر اخبار بھی کوئی نہ کوئی دینی مضمون روزانہ چھاپتا ہے۔ ٹیلیویژن پر رواج ہو گیا ہے کہ خواہ مخواہ دینی پروگرام بھی روزانہ لگتے ہیں، تبلیغی جماعت کو دیکھو تو رات دن تبلیغ ہی کر رہی ہے، فائدہ کیا؟ اتنی تبلیغ کا اثر کیا ہے، کیوں نہیں ہوتا؟ اثر اس لیے نہیں ہوتا کہ ریڈیو والے بھی دینی پروگرام اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارا کاروبار چلتا رہے، اللہ کی رضا کے لیے نہیں کرتے۔ ٹی وی والے بھی اس لیے رکھتے ہیں کہ کچھ دینی چاشنی بھی ہو، پروگرام چلتے رہیں، لوگ ٹی وی دیکھتے رہیں۔ اخبار والے بھی چھاپتے ہیں کہ اخبار بھی بکتا رہے، مولوی بھی وعظ کرتا ہے کہ میری روزی چلتی رہے مجھے بھی کوئی چیز آتی ہے۔ مبلغین کی اکثریت لوگوں کی فلاح کے بجائے اپنی پارسائی جتانے کے لیے وعظ کرتی ہے تو ان وعظوں کا کوئی اثر، کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ لوگوں میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی جب تک کام اللہ کی رضا اور حضور ﷺ کے اتباع، اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضا حاصل کرنے کے لیے نہ کیا جائے۔ جس کام کا مطمح نظر دنیا ہو اس سے دین کیسے آئے گا؟ آپ خواہ قرآن کریم پڑھتے رہیں، حدیث شریف سناتے رہیں، مقصد حصولِ دنیا ہو تو اس سے دین کس طرح آئے گا؟ چونکہ ہماری نیتیں حصولِ دنیا کی ہوتی ہیں، اس کا ذریعہ ہم دین کو بنا لیتے ہیں۔ بیویوں کو بھی وہاں شرعی حقوق یاد آ جاتے ہیں جہاں پہ اپنا کوئی دنیوی مقصد ہوتا ہے۔ جہاں نہیں ہوتا وہاں شریعت کو کوئی نہیں پوچھتا۔

خاوند زبانی تلقین کی حد تک، ناراضگی ظاہر کرنے کی حد تک، اپنے بیوی بچوں کو پیار سے تلقین کرے، اپنے عمل سے تلقین کرے، یہ اصل بات ہے۔ ایک حد تک زبانی کلامی سختی بھی کر لے، اسے حق حاصل ہے۔ بیوی کے پاس بڑا خوبصورت طریقہ ہے کہ وہ اتنی خدمت کرے اور خود پارسا اور نیک ہو۔ پاکیزہ کھانا کھلائے، باوضو ہو کے کھانے پکائے، بابرکت کھانا کھلائے، خدمت کرے تو خاوند بھی اس کے کہنے پہ چل پڑے گا، اسے دیکھ کر چل پڑے گا۔

انہیں دوزخ کی اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان بھی ہیں اور پتھر بھی۔ یہ پتھروں کو دوزخ میں کیوں جلایا جائے گا؟ انہوں نے کیا کیا؟ جن پتھروں کے بت تراشے جاتے ہیں، جن پتھروں کو کوئی پوجتا ہے، ہمارے ہاں چٹانوں پر سجدے اور ربوسے دیئے جا رہے ہوتے ہیں کہ یہاں فلاں بزرگ کی بیٹھک ہے پھر ان پتھروں کو ہاتھ لگا کر چوما جاتا ہے، وہاں نذر نیاز چڑھائی جاتی ہے تو وہ بت اور اس طرح کے پتھر اس لیے دوزخ میں ڈالے جائیں گے، اس لیے دوزخ کا ایندھن بنائے جائیں گے کہ جو اُن کو پوجتے تھے وہ انہی سے جلائے جائیں گے جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ پتھر کو سزا دینا مقصود نہیں ہے، ان بتوں کو یا ان پتھروں کو انہیں جلانے کا ایندھن بنا دیا جائے گا کہ لو دیکھو تم ان کی پوجا کرتے تھے، اب یہ تمہیں جلا رہا ہے۔ اور دوزخ کی آگ ایسی ہے کہ پتھر بھی اس کا ایندھن بن جائیں گے، جلیں گے بھی اور جلائیں گے بھی۔ تو تلقین یہ فرمائی گئی کہ ایسی سخت آگ سے اپنے آپ کو بھی بچاؤ اور کم از کم اور کچھ نہیں کر سکتے تو اپنے "اہل" کو جن کا مدار

زندگی تم پر ہے جن کے اخراجات تمہارے ذمے ہیں ان کو بچالو۔لیکن بات آجاتی ہے ایمان ویقین کی۔ایک بندے کو اس بات کا یقین حاصل ہو، اس کا ایمان ہو تو بچتا ہے۔اگر کوئی کہتا ہے کہ یہ ہر چیز تو سامنے ہے وہاں جائیں گے تو دیکھیں گے۔تو وہاں جا کر جس نے دیکھنا ہے اُس وقت ماننا کس کو کیا بچائے گا، خود کو کیا بچائے گا؟ ایمان بالغیب مطلوب ہے، دیکھ کر ماننا مطلوب نہیں ہے۔دیکھ کر تو سب مانیں گے، اعتماد علی الرسول ﷺ مقصود ہے۔جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ حق ہے، قرآن جو کہتا ہے وہ حق ہے، یہ سب کچھ سامنے آئے گا۔فرمایا، خود کو اور اپنے "اہل" کو برے انجام سے بچایا جائے۔گھر، محل یا بلڈنگ تو دور کی بات ہے ہم جھونپڑی بھی بنائیں تو اس طرح ڈھانپتے ہیں کہ دھوپ کہیں سے اندر نہ آجائے۔اس پر اس طرح سے گھاس پھوس ڈالتے ہیں کوشش کرتے ہیں کہ بارش ہو تو کہیں سے ٹپکے نہیں، مکان بناتے ہیں تو کوشش کرتے ہیں کہ اس میں نہ دھوپ آئے نہ ہوا اندر آئے۔جو اور ذرا صاحب حیثیت ہیں تو وہ اس طرح بناتے ہیں کہ زلزلے سے بھی نقصان نہ ہو۔کیوں کرتے ہیں ایسا؟ ہمیں دھوپ کی تمازت پہ یقین ہے، ہمیں تیز ہواؤں کی روانی اور اس کی طوفان انگیزی پہ اعتبار ہے، جانتے ہیں ایسا ہو سکتا ہے۔یہ یقین آخرت کی آگ، دوزخ کی آگ اور جہنم کے عذابوں پر بھی ہو تو پھر بندہ ان سے بچتا ہے ناں۔اگر یہ یقین حاصل نہ ہو تو پھر کیا تحفظ کرے گا؟

تو سب سے پہلے اپنا عقیدہ، اپنا کردار درست کرے تو پھر تبلیغ ہوتی ہے۔ہمارے ہاں ایک رواج ہو گیا ہے کہ تبلیغ کرو، یہ بڑا کام ہے تو تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔تبلیغ بھی کرتے رہو جھوٹ بولتے رہو، تبلیغ کرتے رہو پرایا مال کھاتے رہو، تبلیغ کے صدقے سب معاف ہو جائے گا۔یہ کوئی طریقہ نہیں۔وہ تبلیغ جھوٹ ہے، مکاری ہے، دھوکہ ہے۔ہر بندہ فرشتہ تو نہیں بن سکتا لیکن جتنا اس کے لیے ممکن ہے اس حد تک تو پرہیزگاری اختیار کرے اور کسی نیکی کو برائی کا جواز نہیں بنایا جا سکتا کہ جی رمضان میں روزہ رکھا ہے، رات قیام کیا ہے، تراویح پڑھی ہے پچھلے سارے گناہ معاف ہو گئے، اب نئے شروع کر دو۔معاف ہونے کا ہمارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میرے گناہ معاف ہو گئے؟ جس طرح آثار سے پتا چلتا ہے کہ جی بخار ہو گیا، نباض نبض پہ ہاتھ رکھتا ہے تو کہتا ہے تمہارے گردے میں خرابی ہے اسی طرح گناہ جب معاف ہو جاتے ہیں تو دل کی ایک کیفیت بن جاتی ہے کہ پھر گناہ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔جو جگہ جل جاتی ہے یا زخم لگ جاتا ہے اس پر ہم پٹی باندھتے ہیں، زخم مندمل تو ہو جاتا ہے لیکن بڑا عرصہ پھر وہ حصہ انگلی سے بھی دبایا نہیں جا سکتا، وہ جگہ زیادہ حساس ہو جاتی ہے۔تو بہ قبول ہو جائے تو دل حساس ہو جاتا ہے پھر گناہ برداشت نہیں کرتا۔یہ کوئی بخشش نہیں ہے کہ جی میں بخشوا آیا ہوں۔

عیسائیوں کی طرح چرچ میں گئے، پوپ کے سامنے گناہوں کی پوٹلی رکھی، اس نے کہا چلو اس کا اتنا جرمانہ دے دو، اتنے پیسے جمع کراؤ گناہ معاف کر دیئے، پھر جا کر نئے شروع کر دو۔تو یہ طریقہ اسلام میں نہیں ہے۔تو بہ کا مفہوم یہ ہے کہ گناہ چھوٹ جائیں تو تو بہ قبول ہو جاتی ہے اور اگر آدمی مسجد میں آکر تو بہ تو بہ کرتا ہے اور عملاً اصلاح نہیں کرتا تو اداکاری ہے۔میں ایک آدمی کو جانتا ہوں جو بات بات پہ سجدے میں گر جاتا ہے لیکن فرض نماز نہیں پڑھتا تو یہ محض نفس کا دھوکا ہے ان سجدوں کا کیا فائدہ۔جو سجدے فرض ہیں وہ ادا نہ کیے تو بات بات پر سجدہ کرنے کا کیا فائدہ۔یہ نفس کا دھوکا ہے، کہ تم بڑے نیک ہو، تم تو بات بات پہ سجدہ کرتے ہو۔ہمارے تبلیغی بھائیوں میں بھی یہ خرابی آگئی ہے کہ تبلیغ کر لی ہے سارے گناہ معاف ہو گئے۔بھئی تبلیغ تو اچھا کام ہے آپ نے کیا، لیکن اس کا اثر یہ ہونا چاہیے کہ آپ گناہوں سے دور رہ سکیں۔اگر پھر اسی جھوٹ میں اور حرام کھانے میں اور برائی میں مبتلا ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی تبلیغ بے فائدہ ہے اور خود آپ پر اثر نہیں کر رہی تو دوسروں پر اثر کیا کرے گی؟ گراموفون پہ ایک ریکارڈ بجا دو، کمپیوٹر پہ ایک سی ڈی لگا دو، اس سے کمپیوٹر کی صحت پہ کیا اثر پڑے گا۔تو ہماری تبلیغ بھی وہ سی ڈی ہے جو بج رہی ہے، ہماری ذات پہ اس کا کوئی اثر نہیں تو دوسروں پہ کیا ہو گا۔

تو بیوی خدمت کر کے، اپنی زندگی شریعت کے مطابق کر کے، پاکیزہ کھانا کھلا کر، باوضو کھانے پکا کے، درود شریف پڑھتے ہوئے کھانا پیش کر کے نیکی کرے۔آخر شوہر پتھر تو نہیں ہے، انسان ہے کبھی تو اثر

ہوگا، کچھ اثر تو ہوگا۔ اب ایک دم کہا جائے کہ تلوار سے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں تو اس طرح اثر نہیں ہوتا، لیکن جیسا کہ پہلے بتایا ہے، اس طرح ضرور ہوتا ہے۔

مولانا تھانویؒ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ بڑے دل سے ذکر کر رہا ہوں کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا، انہوں نے کہا کیا اثر محسوس کرنا چاہتے ہو؟ لوگوں کا خیال ہوتا ہے میں ذکر کر رہا ہوں مجھے فوراً مشاہدات ہونے چاہئیں، ہر چیز نظر آنی چاہیے۔ تو حضرت اس ساتھی کو قریبی نل پہ لے گئے جس سے بند کرنے کے باوجود پانی کے قطرے ٹپکتے رہتے تھے اور قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا رہا تو نیچے جو فرش تھا اس پہ قطرہ قطرہ گرتے گڑھا بن گیا۔ انہوں نے فرمایا اس گڑھے کو دیکھو کس سے بنا ہے؟ عرض کی، پانی کے قطروں سے۔ فرمایا، کیا پہلے دن یہ گڑھا بن گیا تھا؟ کہا، جی نہیں۔ فرمایا، کیا محسوس کرتے ہو کہ قطرہ گرتا ہے تو فرش کٹ جاتا ہے؟ کہا نہیں، ہر قطرہ اپنا اثر چھوڑتا ہے تو گڑھا بن گیا۔ فرمایا، کیے جاؤ اللہ اللہ، آخر اثر ہوگا، یہ ضائع نہیں جاتا بلکہ فرماتے ہیں کہ ذکر الٰہی عجیب چیز ہے کہ کوئی عمل، کوئی نیک عمل خلوص سے نہ کیا جائے تو اس میں اثر نہیں ہوتا۔ ذکر بغیر خلوص کے بھی شروع کر دو تو یہ خود خلوص پیدا کر دیتا ہے۔ فرماتے ہیں، یہ عجیب عمل ہے کہ کوئی عمل نماز، روزہ، نیکی، خیرات خلوص سے نہ ہو تو اس میں جان نہیں ہوتی، قبول نہیں ہوتی، لیکن ذکر ایسا عمل ہے کہ شروع کر دو تو یہ خلوص بھی پیدا کر دیتا ہے، اسے کرتے رہو چھوڑو نہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے ہے جیسے آپ کپڑے کو صابن لگا رہے ہوتے ہیں، آپ کہتے ہیں صاف نہیں ہوا لیکن وہ میل جو صابن سے پہلے تھی وہ نہیں رہی۔ اب یہ تو میل پر منحصر ہے کہ کیا کپڑے کو مٹی لگی ہوئی ہے یا کیچڑ لگا ہوا ہے۔ کوئی جلدی صاف ہو جائے گا، کوئی داغ دیر سے صاف ہوگا۔ صابن لگاتے رہو، صابن لگانے سے ہی صاف ہوگا کپڑے پہ ملتے جاؤ۔

تو بیویوں کو چاہیے خود اللہ اللہ کریں، خود نماز روزہ کریں، خود پاک رہیں۔ خاوند کی خدمت کریں، میں تو کہتا ہوں میاں کو اپنا محتاج بنالیں۔ محتاج بنانے کا مطلب ہے کہ اس کی اتنی خدمت کریں کہ ایک دن بیوی نہ ہو تو وہ پریشان ہو کہ کپڑے کیسے بدلوں گا، جوتے کون پکڑائے گا، پانی کون پلائے گا، کھانا کون دے گا؟ دے تو باقی گھر والے بھی دیں گے۔ لیکن بیوی کے دینے کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ تو پھر ہو سکتا ہے کہ وہ جتنا بھی سخت دل والا ہو کچھ تو خیال کرے گا کبھی تو اس کے دل میں بات آئے گی۔ تو اس کے لیے لاٹھیاں لے کر لڑنے کی ضرورت نہیں، ڈانگیں مار کر کسی کو پارسا نہیں کیا جا سکتا۔

سوال: پرہیز گار مرد کا بے نمازی عورت کے ساتھ اور پرہیز گار عورت کا بے نماز مرد کے ساتھ زندگی گزارنا، ایک دوسرے کی روح پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ اس سے کیسے بچا جائے؟

جواب: نکاح کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے، پرہیز گار ہونا شرط نہیں ہے اور نہ کسی کے پاس کوئی پیمانہ ہے کہ وہ ناپ سکے کہ یہ پرہیز گار ہے یا نہیں ہے۔ نکاح کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔ اب دونوں جنسوں کا اکٹھ ہوگیا، ایک کو دعویٰ پرہیز گاری ہے، ایک پرہیز گار نہیں ہے۔ تو جس کی جو کیفیت مضبوط ہوگی وہ دوسرے پر اثر انداز ہوگا۔ میاں بیوی دونوں میں سے جو اگر بدکار ہے، اب اس کی بدکاری اتنی بڑھ گئی ہے کہ دوسرے کی پرہیز گاری سے اس کی طاقت زیادہ ہے تو غیر محسوس طریقے سے اس پرہیز گار پر بھی بدکاری اثر انداز ہوگی۔ اور اگر دونوں میں سے ایک پرہیز گار ہے تو وہ نام کا یا دکھاوے کا یا لوگوں کے لیے پرہیز گار ہے تو اللہ کو راضی کرنے کے لیے اللہ کا بندہ بنے او ر پرہیز گاری اختیار کرے تو اس میں اتنی طاقت ہے کہ اس برائی پر رفتہ رفتہ وہ اثر انداز ہو جاتا ہے۔ اگر دونوں دکھاوے کے ہیں تو پھر دونوں کی اپنی اپنی ڈفلی بجتی رہے گی۔ حق یہ ہے کہ جس طرف حقیقت ہے وہ دوسرے پہ ضرور غالب آئے گی۔

دیکھیں برائی چھوڑنا یا برائی کرنا اس کا یہ معیار نہیں ہے کہ ایک دن بندہ آئے اور دوسرے دن بایزید بسطامی بن جائے۔ یہ نہیں ہوتا، انسانی مزاج کا Flow بڑا Slow اور Steady, Steady ہوتا ہے، بڑا آرام آرام سے چلتا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (البقرہ: 257) ایمان والوں کا اللہ دوست ہے، انہیں ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ اللہ نے یہ نہیں فرمایا، کہ ایک دن میں انہیں نکال کر وہاں رکھ دیتا ہے يُخْرِجُهُمْ انہیں نکالتا ہے، ان کا سفر برائی

سے نیکی کی طرف شروع ہو جاتا ہے۔ایک بندہ سو برائیاں دن میں کرتا تھا وہ ننانوے پر بھی آ گیا تو اس کا سفر شروع ہو گیا۔ ہم تو کہتے ہیں ویسا ہی بدمعاش ہے جیسا پہلے تھا۔ اگر نوے پر آ گیا، دس برائیاں چھوٹ گئیں تو سفر تو شروع ہو گیا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایک ہی دن میں بایزید بسطامیؒ بن جائے، اس طرح نہیں ہوتا۔زندگی کا Flow اپنے انداز میں چلتا ہے،نصیب ہوتا ہے اور جب چل پڑتا ہے تو ایک دن اس تاریکی سے نکل کر سراپا نور ہو جاتا ہے۔اور جو برائی کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ (البقرہ:257) ان سے نیکیاں چھوٹنے لگتی ہیں، برائیاں بڑھنے لگتی ہیں یعنی ان کا دامن نیکیوں سے خالی ہو جاتا ہے، بُرائی ہی برائی پھیل جاتی ہے،نور ختم ہو جاتا ہے،ظلمت ہی ظلمت ہو جاتی ہے۔تو یہ کایا پلٹ ایک دن میں نہیں ہوتا۔ بیوی ہو یا میاں ہو، اسے حوصلے سے صبر سے کام لینا چاہیے اور اسے دیکھنا یہ چاہئے کہ ایک بندے کے میرے ساتھ دس سال بیس سال گزر گئے اس پر کوئی اثر نہیں ہوا، کیوں نہیں ہوا۔ میرے کردار میں کہاں کمی ہے؟ آپ ایک کپڑے پہ رنگ چڑھاتے ہیں، رنگ گھولتے ہیں، پانی رنگین ہو گیا، آپ کپڑا نکالتے ہیں تو وہ سفید کا سفید، تو آپ کیا کپڑے سے لڑیں گے یا اپنے رنگ کی تحقیق کریں گے کہ اس میں کچھ ہے بھی یا خالی دھوکہ ہے؟ کپڑے سے کوئی نہیں لڑے گا کہ یہ رنگین کیوں نہیں ہوا، اپنے رنگ کی ہر کوئی تحقیق کرے گا کہ یار رنگ میں نے کم ڈالا کہ تھوڑا ڈالا ہے، یا نقلی ہے یا کیا بلا ہے۔اور اگر مرد پرہیز گار ہے اور خاتون پر اثر نہیں ہو رہا تو اسے اپنی پرہیز گاری تلاش کرنی پڑے گی کہ اس میں کوئی شئے ہے بھی یا میں نے ویسے ہی نقل بنا رکھی ہے؟ خاتون پرہیز گار ہے اور مرد پرہیز گار نہیں ہے اس پر اثر نہیں ہو رہا تو خاتون کو اپنی پرہیز گاری تلاش کرنی پڑے گی کہ میں نے ڈرامہ بنا رکھا ہے یا واقعی اصلی رنگ ہے یا خالی میں نے نقل بنا رکھی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا نام بغیر اثر کیے نہیں رہتا۔ پھر مختلف حالات ہوتے ہیں۔

مرزا مظہر جانِ جاناںؒ بڑے نازک مزاج تھے، بہت نازک مزاج آج تک میرے مطالعہ میں جو کچھ آیا ہے میں نے ان سے بڑا نازک مزاج بزرگ نہیں دیکھا۔ ان کے ایک مرید سال میں دو مرتبہ حاضری دیا کرتے تھے۔ دو چار دن رہتے، چلے جاتے۔ وہ کھاتے بہت زیادہ تھے تو حضرتؒ کھانے منگواتے اور وہ حضرت کے سامنے کھاتے رہتے۔ایک دن انہوں نے عرض کی، حضرتؒ، کوئی خدمت آپ نے میرے سے نہیں کروائی، کوئی حکم میرے لیے۔ فرمایا، ٹھیک ہے جیسے چل رہا ہے چلنے دو۔ اس نے بڑا اصرار کیا کہ نہیں مجھے آپ کوئی حکم دیں۔فرمایا، پھر میری گذارش یہ ہے برخوردار کہ تم سال میں ایک دفعہ آیا کرو، دو دفعہ نہیں۔ حضرت، وہ کیوں؟ فرمایا، تم کھاتے رہتے ہو میں تمہیں دیکھتا ہوں، میرا پیٹ خراب ہو جاتا ہے۔تم چلے جاتے ہو، کئی ہفتے میرا پیٹ خراب رہتا ہے تو یہ بیماری مجھے سال میں ایک دفعہ ہو، دو دفعہ نہیں ہو، تم میری راحت کا یہ سامان کرو۔ یعنی عجیب نازک مزاجی ہے کھا کوئی رہا ہے اور دیکھ کر ان کا پیٹ خراب ہو رہا ہے۔ بہادر شاہ ظفر والیٔ دہلی ان سے ملنے کے لیے خدمت میں پہنچا تو حجرے میں بیٹھے تھے۔ مٹی کا گھڑا پانی کا بھرا ہوا تھا اوپر پیالہ یا کٹورہ سا رکھا تھا۔ بادشاہ کو پیاس محسوس ہوئی تو وہاں تو ہر ایک نے اپنی طرح کام کرنا ہے، بادشاہ نے اٹھ کر اس گھڑے میں سے پانی کٹورے میں لیا، دو چار گھونٹ پیے اور کٹورہ رکھ دیا۔اب کٹورہ انہوں نے ذرا سا ٹیڑھا رکھ دیا جیسے بے خیالی میں بندہ رکھ دیتا ہے تو فرمایا، تم بادشاہی خاک کرو گے گھڑے پہ پیالہ رکھنے کی تمیز تو تمہیں ہے نہیں، حکومت کیا کرو گے، میرے سر میں درد ہو گیا تم نے پیالہ ٹیڑھا رکھ دیا۔

اب اتنے نازک مزاج بندے کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ وہ بڑا شور کرتیں، کوئی بات ہوتی تو بڑا شور کرتیں اور بڑی لڑائی کرتیں، جھگڑالو تھیں۔ پھر ان کی بھی توہین کرتیں، بعض اوقات گالیوں تک چلی جاتیں تمہاری ایسی تیسی، تو حضرتؒ برداشت کرتے۔ ایک دن ان کا پٹھان مرید آیا ہوا تھا تو اسے انہیں کوئی چیز لینے گھر بھیجا۔ بیوی کا مزاج تھا، انہوں نے کہا تم کون سے کتے، کہاں سے آ گئے ہو؟ جیسے تم بدمعاش ہو ایسا ہی تمہارا پیر بدمعاش، تمہاری ایسی تیسی، بڑا شور کیا۔ وہ بھی پٹھان تھا وہ بھی کود گیا، اس نے کہا میں یہ کر دوں گا وہ کر دوں گا۔انہوں نے کہا، اسے پکڑ لاؤ، اسے بلایا اسے کہا تم گرمی نہیں کھاؤ، اس کا تو مزاج ہے وہ

کرتی ہے۔ کہا، حضرتؒ آپ کو گالیاں دے رہی ہے۔ فرمایا، اور کسے دے؟ میرے ساتھ رشتہ ہے مجھے ہی دیتی ہے، تم بیٹھو آرام سے۔ تو وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے جہاں مجھے یہ نازک مزاجی دی ہے وہاں یہ بیوی میری آزمائش بنادی ہے۔ یہ لحہ لحہ میرا امتحان ہوتا رہتا ہے، مجھے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے من جانب اللہ۔

اب بیوی پرہیزگار ہے، میاں نہیں ہے تو شاید اس کی آزمائش ہو، اس کی خدمت تو کرو اس کی کوشش عمل سے بھی، دل کی دعا سے بھی، اور خدمت سے بھی، اگر نہیں ہوتا تو سمجھ لے میری آزمائش ہے، اپنی ڈیوٹی پوری کرے۔ ہمارے ایک بزرگ ساتھی ہوا کرتے تھے اور بڑے عجیب آدمی تھے، سارا دن قرآن مجید بغل میں ہوتا تھا جہاں دو منٹ ملتے، وہیں کھول لیتے۔ میں نے ایک دن پوچھا، آپ نوافل کتنے پڑھتے ہیں؟ جہاں کھانا کھانے جاتے وہاں چولہے پر ایک جائے نماز بنی ہوئی تھی جتنی دیر کھانے میں ہے اتنی دیر نفل پڑھ لیے اور جہاں مویشی چراتے تھے وہاں ایک پتھر جوڑ کر جگہ بنی ہوئی تھی درمیان میں نماز کی تو میں نے پوچھا حضرت کتنے نفل؟ کہنے لگے، اب بوڑھا ہوگیا ہوں اب نہیں پڑھے جاتے اب صرف پانچ سو رکعات پڑھتا ہوں۔ بوڑھا ہوگیا ہوں، اٹھ بیٹھ نہیں سکتا، زیادہ سجدے نہیں کرسکتا تو صرف پانچ سو رکعات پڑھتا ہوں۔ اب وہ جوانی میں یا طاقت میں کتنے پڑھتے ہوں گے، کیا ہوگا، یہ میں نے نہیں پوچھا۔ تو ان کی اہلیہ بڑا عرصہ بہت بیمار رہیں۔ لقمے بھی ان کے منہ میں ڈالنے پڑتے تھے پیشاب پاخانہ بھی خود جا کر کرانا پڑتا، باتھ روم تو تھے نہیں جنگلوں میں لے جانا پڑتا تھا، رہتے بھی جنگل میں تھے ڈیرہ تھا۔ آدمی بڑے مزے کے تھے تو ایک دن حضرت جیؒ کو سنا رہے تھے کہ میں نے ملک الموت کو ڈھونڈا تو مل گیا تو میں نے کہا یار! ایک دنیا کو مصیبت ڈالی ہوئی ہے۔ تو اس میری بڑھیا کو بھی اٹھالو، اسے بھی لے جاؤ میں بڑی مشقت میں ہوں تو وہ مجھ سے کہنے لگا حضرت اس کی وجہ سے تمہاری ترقیٔ درجات ہورہی ہے۔ شکر کرو جتنی اس کی زندگی ہے اس کی مدد کرتے رہو، اس کی خدمت کرتے رہو اتنے تمہارے درجات بلند ہوتے رہیں گے۔ میں تو حکم کا بندہ ہوں، جب حکم ہوگا لے جاؤں گا، میرا تو اختیار نہیں ہے کہ کسی کی جان لے لوں میں تو حکم کا بندہ ہوں جب ان کا حکم ہوگا روح قبض کرلوں گا لیکن آپ کو یہ بتادوں کہ آپ یہ نہ سوچا کریں، یہ سوچیں کہ یہ اللہ کی رحمت ہے آپ کے لیے اور یہ آپ کا مجاہدہ ہے۔ تو یہ چیزیں بھی آجاتی ہیں کبھی بیوی، میاں کے لیے مجاہدہ بن جاتی ہے کبھی میاں، بیوی کے لیے مجاہدہ بن جاتا ہے۔ تو ان چیزوں پہ نظر ہو تو گزارا ہوتا رہتا ہے گھر نہیں اجڑتا، تو یہ صورتحال ہے۔ ان چیزوں کو نظر میں رکھا جائے تو اللہ کریم احسان فرماتے ہیں زندگی آرام سے بسر ہوجاتی ہے۔ دراصل زندگی، آخرت بنانے کا ہمارے پاس یہ سنہری موقع ہے، گولڈن چانس۔ یہ ایک ہی بار جیا جاتا ہے، کوئی فٹ بال کھیل رہا ہے کوئی ہاکی کھیل رہا ہے کوئی کرکٹ کھیل رہا ہے، اسے ایک بار کا موقع دیا تو اسے کہتے ہیں گولڈن چانس، سنہری موقع ہے دوبارہ نہیں ملتا۔ ایک بار یہ زندگی ایک سنہری موقع ہے جو ایک ہی بار ملتا ہے، اس میں جتنی آخرت ہم نے بنالی اور جتنی چھوڑ دی، وہ میاں بیوی کے تعلقات ہوں، والد بچوں کے تعلقات ہوں، رشتہ داروں سے ہوں، دوستوں سے ہوں، ان سب میں اس کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے جب جا کر بات بنتی ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

ضرورت رشتہ

ایک لڑکی جس کی عمر 25 سال، تعلیم ایم فل کیمسٹری، کالج لیکچرار، لاہور کی رہائش کے لیے لاہور سے رشتہ درکار ہے۔ سلسلہ عالیہ سے منسلک افراد کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ نمبر: 0333-6836575

قارئین اپنی صوابدید پر معاملہ کریں۔ ادارہ خود کسی بات کا ذمہ دار نہیں ہے ہر قسم کی ذمہ داری سے مستثنیٰ ہے

ضرورت رشتہ

ایک لڑکی جس کی عمر 22 سال، قد پانچ فٹ تین انچ تعلیم بی ایس سی آنرز (بائیو کیمسٹری/بائیولوجی) کے لیے پڑھے لکھے، برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے، ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ سلسلہ عالیہ سے منسلک افراد کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ نمبر: 0300-4834363،

0313-7910251

قارئین اپنی صوابدید پر معاملہ کریں۔ ادارہ خود کسی بات کا ذمہ دار نہیں ہے ہر قسم کی ذمہ داری سے مستثنیٰ ہے

28 جولائی 2014

رمضان کو رخصت نہ کریں رمضان کو جذب کریں

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ:183)

جس طرح تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کیے گئے لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ تا کہ تمہیں اللہ سے ایک خاص تعلق نصیب ہو جائے۔ ہمارے ہاں رواج ہے کہ ہم آخری جمعہ سے ہی رمضان کو الوداع کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا نام ہم نے جمعۃ الوداع رکھا ہوا ہے۔ ہر مجلس میں، ہر مسجد میں، ہر ٹی وی چینل پر الوداع الوداع رمضان شروع ہو جاتا ہے، علمائے حق فرماتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے۔ رمضان الوداع نہیں ہوتا، رمضان دلوں میں رچ بس جاتا ہے اور اللہ کریم نے رمضان کے خاتمے پر خوشی منانے کا اور اللہ کی بڑائی بیان کرنے کا حکم دیا ہے۔ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (البقرہ:185) روزوں کی گنتی پوری کرلو عبادت پوری کرلو وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ اس بات پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت نصیب فرمائی، صحیح راستہ نصیب فرمایا وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ تا کہ تم شکر گزار بندے بن جاؤ۔ یعنی رمضان آ کر گزر نہیں جاتا، بلکہ دل میں رچ بس جاتا ہے۔ اس کا مقصد ہی یہ ہے لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ:183) اب تقویٰ ایسی صفت نہیں کہ رمضان گزر گیا تو تقویٰ بھی ساتھ رخصت ہو گیا۔ نہیں، بلکہ تقویٰ دین کی حیات کو قائم رکھنے والی ایک کیفیت ہے، اس کے بعد جب تک سانس کی ڈوری چل رہی ہے جب تک دم میں دم ہے تو وہ صفتِ تقویٰ قلب میں موجود رہے گی۔ تقویٰ کا ترجمہ ہم نے ڈر لکھا ہے، علماء نے اردو ترجمہ ڈر ہی لکھا ہے لیکن یہ تعین نہیں کی گئی کہ ڈر کس کا؟ عربی بے مثل و بے مثال زبان ہے، بہت خوبصورت زبان ہے، بہت وسیع المطالب زبان ہے۔ عربی واحد ایسی زبان ہے جس کے ایک ایک لفظ کے دو دو سو معانی ہیں۔ جب وہ لفظ جملے میں سجایا جاتا ہے تو وہ جملہ اس لفظ کے معنی کی تعیین کرتا ہے کہ یہاں کون سا معنی مراد ہے۔ تقویٰ ایک خاص ڈر ہے جب کسی سے قلبی تعلق بن جائے، اس کی ناراضگی کا تصور تک نہ رہے، ایسا رشتہ بن جائے کہ یہ سوچنا بھی محال ہو جائے کہ اس ہستی کو میں ناراض کر سکتا ہوں۔ یہ تعلق جب اللہ کریم سے بن جائے تو اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ بات کرتے وقت، کام کرتے وقت فوراً دل دھڑک اٹھے کہ کہیں ایسا جملہ منہ سے نہ نکلے جس سے اللہ کریم ناراض ہوں، کوئی ایسا عمل مجھ سے صادر نہ ہو جس سے اللہ کریم ناراض ہوں، یہ جو تعلقات میں رخنہ آنے کا ڈر ہے ناں جب یہ تعلق اللہ کریم سے بن جائے پھر اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ فرمایا، رمضان کا مقصود تقویٰ کا حصول ہے۔ روزے میں دو خصوصیات بڑی عجیب ہیں، ایک تو یہ کہ حضورِ حق پیدا کرتا ہے، روزہ بند کرنے سے کھولنے تک، کوئی بندہ پاس ہو نہ ہو، کوئی دیکھ رہا ہو یا نہ دیکھ رہا ہو اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ روزے میں روزہ دار ہر اس چیز سے بچتا ہے، جس سے روزہ ٹوٹنے کا اندیشہ ہو یا مکروہ ہونے کا اندیشہ ہو، یا روزے میں نقص آنے کا اندیشہ ہو۔ گویا مجلس میں بھی، تنہائی میں بھی اسے حضورِ حق نصیب ہوتا ہے۔ کوئی دیکھے نہ دیکھے اللہ تو میرے پاس ہے۔

حدیث قدسی ہے۔ الصوم لی وانا اجزی بہ (صحیح البخاری)

روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کا اجر دوں گا یعنی جس کا اجر بھی خاص اللہ کریم کی طرف سے منظور ہوگا۔ اس کی کوئی معین مقدار نہیں ہے، جتنا دیتا ہے وہ اپنی شان کے مطابق دیتا ہے۔ عبادات تو ساری اللہ کے لیے ہیں، نماز پڑھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، تسبیحات پڑھتا ہے، ذکر کرتا ہے سب اللہ کے لیے ہے۔ لیکن باقی عبادات میں خدشہ ہو سکتا ہے، کسی میں خودنمائی ہو، کسی میں پارسائی کی بات ہو، کسی میں کوئی چھوٹی موٹی ریا مل جائے لیکن روزے

میں تو لوگوں کو دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔تنہائی میں بھی جب صرف اللہ ہی موجود ہوتا ہے تب بھی روزہ دار، روزے کے قواعد وضوابط کی پابندی کرتا ہے تو گویا اسے ہر لمحے حضورِحق حاصل ہے۔ایک خاص وقت سے ایک خاص وقت تک کے لیے کھانے پینے اور وجود کی دوسری ضروریات سے رک جانا اسے یہ احساس دیتا ہے کہ گویا دنیا میں کچھ بھی اس کا نہیں، حتیٰ کہ یہ وجود بھی اس کا اپنا نہیں ہے۔اس کی وہ ضروریات جو روزے نے روک دی ہیں وہ ان کو پورا نہیں کرتا کیونکہ اللہ کا حکم ہے۔یہ حقیقت اس پر واضح ہوجاتی ہے کہ سب کس کا ہے۔اس کا ہے جس نے یہ سب ایک خاص وقت سے ایک خاص وقت تک اسے استعمال کرنے سے روک دیا۔کھانا نہ پینا یہ صفاتِ ملکوتی ہیں، فرشتوں کے اوصاف ہیں۔سو وجودِ آدم میں اوصافِ ملکوتی کا پیدا کرنا روزے کا کام ہے اور اس کا حاصل ہے۔یہ سارا علاج روح کی مضبوطی کا ہے۔ساری زندگی نفس اور روح کا مقابلہ رہتا ہے۔

جب مادے کے چاروں اجزاء ملتے ہیں تو ان سے نفس بنتا ہے اس لیے نفس کا رجحان مادّے کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔قرآن کریم میں اس لیے اسے نفسِ امارہ کہا گیا۔برائی کرنے والا، جوخواہش کرتا ہے کہ چھین لو، لوٹ لو، جمع کرلو، کھالو، پہن لو، یہ چیز لے لو، وہ چیز لے لو ادھر کھینچتا رہتا ہے۔جب روح میں قوت آتی ہے تو اسے ادراک ہوتا ہے کہ یہ سب چیزیں تو میرے لیے ہی ہیں۔ارشادِ باری ہے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ:29) روئے زمین پر جو کچھ پیدا کیا گیا ہے اے انسان! تیری خاطر ہے۔اسے استعمال کر،لیکن استعمال اس طرح سے کر، حاصل اس طرح سے کر، خرچ اس طرح سے کر، جس طرح اس مالک نے ضابطہ بنا دیا ہے اور اجازت دی ہے کہ یہ چیز اس طرح حاصل کر سکتے ہو اور اسے اس طرح استعمال کر سکتے ہو۔غیر مسلم بھی کھاتا اسی دنیا میں ہے، وہی مادی چیزیں وہ بھی کماتا ہے یہیں گھر بناتا ہے، یہیں وہ بھی رہتا ہے، دنیا کی نعمتیں حاصل کرتا ہے لیکن وہ نفس آمارہ کی راہنمائی میں حاصل کرتا ہے۔جائز وناجائز، حلال وحرام، نیک وبد کی قید نہیں ہوتی صرف چیزیں حاصل کرنا، استعمال کرنا اور انجوائے کرنا مقصد ہوتا ہے۔مومن بھی اسی دنیا میں رہتا ہے، وہی چیزیں، وہی اناج وہ بھی کھاتا ہے، اسی طرح کا لباس وہ بھی پہنتا ہے وہ بھی وہی چیزیں حاصل کرتا ہے لیکن اس کی روح مضبوط ہوتی ہے، نفس روح کے تابع ہوجاتا ہے۔وہ چیزوں کو حاصل اور استعمال کرنے میں وہ طریقے اختیار کرتا ہے جو اللہ کریم نے بتائے ہیں۔جب حالت یوں ہوتی ہے کہ روح مضبوط ہوتی ہے تو نفس، روح کے تابع ہوجاتا ہے۔وہ چیزوں کو حاصل اور استعمال کرنے میں وہ طریقے اختیار کرتا ہے جو اللہ کریم نے بتائے ہیں۔جب حالت یوں ہوتی ہے کہ روح مضبوط ہوتی ہے، نفس کمزور ہوتا ہے تو نفسِ امارہ سے لوامہ بن جاتا ہے۔

نفس لوامہ وہ ہوتا ہے کہ جب بندے سے خطا ہو تو بندے کا نفس بھی اسے ملامت کرے کہ اچھا نہیں ہوا، یہ صحیح نہیں ہوا، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔لیکن اگر روح اتنی قوی ہوجائے کہ نفس بھی اس کے تابع ہوجائے، نفس کمزور ہوجائے تو کردار درست ہونے لگتا ہے۔اب دونوں میں سے جس کی بات آپ مانیں گے وہ طاقتور ہوتا جائے گا، جس کی بات نہیں مانیں گے وہ کمزور ہوتا جائے گا۔تو نفس اتنا کمزور ہوجائے روح اتنی مضبوط ہوجائے کہ نفس اس کے تابع ہوجائے تو اسے اللہ کریم نے نفسِ مطمئنہ کہا ہے۔پھر وہ پرسکون ہوجاتا ہے اور اس کا آخرت میں بھی داخلہ اس انداز سے ہوتا ہے کہ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (الفجر:29-30) اے نفسِ مطمئنہ! اپنے پروردگار کی طرف اور دوسری دنیا کی طرف کوچ کر لیکن برضا و رغبت و بڑے اطمینان اور سکون سے۔فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ---وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر:29-30) میرے بندوں میں شامل ہوجا اور جنت میں داخل ہوجا۔تو رمضان المبارک کا حاصل یہ ہے کہ رمضان وجود میں رچ بس جائے۔تقویٰ نصیب ہوجائے یعنی وہ ایک انداز جو آپ کا روزے سے ہوتا تھا کہ کہیں تنہائی میں بھی پانی نہیں پینا، کھانا نہیں کھانا کہیں روزہ نہ ٹوٹ جائے تو وہ انداز زندگی میں آجائے۔لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اب یہ تقویٰ کوئی وقتی یا لمحاتی یا رمضان شریف کی صفت نہیں ہے، یہ دائمی صفت ہے۔یہ حاصل ہوجائے تو پھر اس کی حفاظت کی جائے اور اسے سنبھالا جائے۔تو گویا رمضان کو آپ رخصت نہ کریں، اور پھر اگلے رمضان تک تاکہ وہ نور باقی رہے رمضان کو آپ جذب کریں تاکہ اگلے رمضان میں مزید ترقی ہو۔اب کسی کو ساٹھ برس عمر ملی ہے۔بلوغت کے بعد اسے کتنے ہی رمضان ملے، اس نے کتنے رمضان پائے، کتنے برس روزے رکھے ہیں،

اتنے ہی برس تقویٰ حاصل کیا ہے۔ تو آپ حساب کر کے اندازہ کر لیں کہ اس کے پاس کتنا تقویٰ ہونا چاہیے، اس بندے کا کردار کتنا نکھر جانا چاہیے لیکن کیا وجہ ہے کہ ہر سال ہم روزے بھی رکھتے ہیں، اعتکاف بھی اکثر اوقات کرتے ہیں، خیرات بھی کرتے ہیں، نوافل بھی پڑھتے ہیں، فرائض تو پڑھتے ہی ہیں، تلاوت بھی کرتے ہیں پھر جب رمضان گزر جاتا ہے تو ہم ویسے کے ویسے مسجد سے نکل آتے ہیں۔ وہی بندہ ہوتا ہے، وہی چور بازاری، وہی رشوت، وہی جھوٹ، وہی زور زبردستی یعنی رمضان آیا اور گزر گیا کچھ حاصل نہ کیا۔ اس کا مطلب ہے ہم نے روزہ رکھا ہی نہیں، بھوک پیاس کاٹتے رہے۔ بھوکا پیاسا رکھنا اللہ کریم کا مقصد نہیں ہے بلکہ رمضان میں غیر رمضان سے زیادہ کھایا جاتا ہے۔ گھروں کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔ غیر رمضان میں اتنا خرچ نہیں کیا جاتا جتنا اہتمام سحری افطاری پہ ہوتا ہے۔ اخراجات زیادہ اٹھتے ہیں غیر رمضان میں اتنے اخراجات نہیں ہوتے۔ رمضان میں کھانے کی بچت نہیں ہوتی، وہ کیفیات ہوتی ہیں کہ انسان کو اوصافِ ملکوتی عطا کرتی ہیں یعنی اس میں قبول کرنے کی استعداد بڑھ جاتی ہے۔ دوسری طرف سے عطائے باری کے اور رحمتِ باری کے دروازے کھل جاتے ہیں یعنی کوئی نفل بھی پڑھتا ہے تو اسے فرض کے برابر انعام ملتا ہے۔ فرض پڑھتا ہے تو اسے کئی گنا بڑھا کے انعامات ملتے ہیں۔

یہ تو حج کی طرح تھا کہ حج زندگی میں اگر استطاعت ہو تو شرائط کے ساتھ زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ بار بار فرض کیوں نہیں کیا؟ اس لیے کہ جو ایک بار حج کر لیتا ہے اس کی ساری زندگی کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ اسے ایسا حضورِ حق نصیب ہو جاتا ہے کہ پھر وہ اللہ کی نافرمانی سے ڈرتا ہے۔ یہ اتنا مؤثر عمل ہے کہ اسے دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کوئی نفلی حج کرتا ہے، کرتا رہے لیکن پھر اسے احتیاج نہیں رہتی۔ آپ ہر سال حج بھی کرتے ہیں، عمرے بھی کرتے ہیں واپس آتے ہیں تو پھر وہی چور بازاری ہوتی ہے۔ وہی ہم ہوتے ہیں وہی گناہ کی زندگی ہوتی ہے اس کا مطلب ہے کہ ہم نے حج نہیں کیا، حج کی اداکاری کی۔ گئے، گھومے پھرے آ گئے۔ اگر ہم حج کرتے تو محض دو اَن سِلی چادروں میں لپٹ کر اور پورے لباس تک سے آزاد ہو کر، رشتوں ناطوں سے دور جا کر جیسے میت کو اَن سِلی چادروں کا کفن پہنایا جاتا ہے وہی اَن سِلی چادریں ہمارے پاس ہوتی ہیں اور ہم بیت اللہ کے سامنے

کھڑے ہو کر رب کریم کو پکار رہے ہوتے ہیں۔ لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ گویا قیامت کا منظر ہے، ہم حضورِ حق میں حاضر ہیں، کفن لپیٹا ہوا ہے گویا قبر سے اٹھ کر آئے ہیں۔ کوئی آلائش ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ منیٰ جاتے ہیں، عرفات جاتے ہیں، مزدلفہ رکتے ہیں۔ اگر یہ ساری چیزیں سمجھ کر ان کی روح کے مطابق کی جائیں تو فرمایا، زندگی میں یہ دوا ایک دفعہ کافی ہے بس پھر بندہ بیمار نہیں ہوتا، لیکن شرط ہے وہ یہ دوا کھائے تو سہی۔ اگر ایکٹنگ کرتا رہے میں نے دوا لے لی، میں نے دوا کھا لی، نہ لے نہ کھائے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ ہر سال جاتا رہے کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح رمضان شریف بھی زندگی میں ایک بار بھی حقیقی طور پر نصیب ہو جائے تو بندے کو متقی بنا جاتا ہے۔ اس کو تقویٰ دے جاتا ہے پھر وہ باقی کی ساری زندگی اسے سنبھالتے گذار دیتا ہے۔ رمضان کا بار بار آنا اللہ کریم کی عطا ہے کہ اس نے ہر سال ایک مہینہ دے دیا۔ کسی کو زندگی میں ایک ایسا قیمتی ہیرا ''کوہِ نور'' مل جائے جو اس کی پشتوں تک کے لیے کافی ہو جائے تو کیا ضرورت ہے کہ اسے ہر سال ایک ایک ''کوہِ نور'' دیا جائے لیکن یہ اس کی عطا ہے۔ اس نے کہا، ہر سال میں یہ نعمت عطا کروں گا۔ سال بھر میں اس کے تقویٰ میں کوئی کمی، کوئی کمزوری آ گئی تو پھر Renew ہو جائے گا۔ مزید طاقتور ہو جائے گا، تقویٰ مزید بڑھ جائے گا۔ اگلے سال مزید بڑھ جائے گا، اگر آپ نے سارا ہی سنبھال کر رکھا ہے تو دوگنا ہو جائے گا، کسی میں ٹوٹ پھوٹ آ گئی ہے تو مرمت ہو جائے گی۔ یہ تو اس کی عطا ہے۔

ہمارے ہاں تو رواج ہو گیا ہے کہ نغمے لکھو، نعتیں لکھو، اداس نغمے، اداس نعتیں ''الوداع، الوداع'' رمضان کو نکال دو کہ ملک سے چلے جاؤ، جان چھوٹی۔ علماء نے اس سے منع فرمایا ہے۔ فرمایا، یہ حرام ہے، یہ جائز نہیں ہے۔ رمضان کو رخصت نہیں کرنا، رمضان کو اگلے سال تک، کم از کم ایک سال تک کے لیے تو اسے اپنے اندر رچا بسا لو، اگلے سال اور نصیب ہو جائے گا۔ اللہ کریم نے جو فرمایا ہے کہ اگر تم مدت پوری کر لو، روزے پورے رکھ لو تو عید مناؤ اس طرح لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ اللہ کی بڑائی بیان کرو، خوشبو لگاؤ، نہا دھو کر آؤ، خوبصورت لباس پہنو، جتنی آپ کی توفیق ہے اچھا پاک لباس پہنو اور دو رکعت نمازِ عید ادا کرو۔ عید کہتے ہیں انتہائی خوشی کے موقع کو۔ انتہائی خوشی سے دو رکعت ادا کرو کہ اللہ تیرا شکر ہے سب تیری توفیق سے ہے، تیری عطا ہے،

تیری ہی عطا ہے، کوئی اس کی مثل، مثال نہیں ہے۔ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ تاکہ تمہارا شمار اللہ کے شکر کرنے والے، شکرگزار بندوں میں ہوجائے۔ ہم نے ان سب چیزوں کے مفاہیم بدل دیئے ہیں۔ ہر ایک کو فکر ہے کہ مجھے کوئی ایک رات بتادو تاکہ میں اس رات لیلۃ القدر منالوں، پھر کچھ لوگوں نے کہا جی ستائیس (27) رمضان کو لیلۃ القدر ہوتی ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب نبی ﷺ نے یہ فرمادیا کہ آخری عشرے کی طاق راتوں میں کوئی ایک رات ہے اسے تلاش کرو، پھر کون ہے جو متعین کردیتا ہے کہ فلاں رات لیلۃ القدر ہے؟ یہ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔

میں اگلے دن ٹی وی پر رمضان شریف کے پروگرام دیکھ رہا تھا تو ایک صاحب جنہیں اپنے علوم پہ بڑا ناز ہے۔ خود کو عالم بے بدل اور کامل ولی اللہ سمجھتے ہیں، انہیں دعویٰ ہے کہ وہ اپنے عہد کے قطب ہیں وہ فرمارہے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بتایا تو گیا تھا کہ فلاں رات ہے لیکن میں بھول گیا۔ میں نے ٹی وی بند کردیا، میں نے کہا کچھ اللہ کا خوف کرو۔ اللہ ایک بات اپنے نبی ﷺ کو بتائے اور نبی ﷺ اپنی امت کو بتانے میں بھول جائے تو پھر ایک بات میں بھول سکتے ہیں تو باقی باتوں میں بھی بھول سکتے ہیں، پھر تو کوئی اعتبار ہی نہ رہا (معاذ اللہ!) یعنی اگر نبی کریم ﷺ کے ذمے یہ نقص لگایا جائے کہ اللہ نے تو آپ کو بتایا تھا لیکن پھر آپ کو یاد نہیں رہا ،امت کو نہیں بتایا۔ اگر یہ تصور کیا جائے تو جو بندہ بھولتا ہے تو کیا وہ ایک ہی بار بھولتا ہے۔ پھر کیا خبر کچھ قرآن میں بھول گئے ہوں، کوئی آیات رہ گئی ہوں کچھ لکھادی ہوں۔ پھر کیا خبر احکام میں بھول گئے ہوں اور اللہ نے اور کوئی حکم دیا ہو آپ ﷺ نے اور بتایا ہو (معاذ اللہ!)۔ کون سا اسلام ہے ہمارے پاس، کون سا دین ہے؟ یار! اللہ کا خوف کرو۔ اللہ اگر کوئی بات اپنے نبی ﷺ کو بتاتا ہے تو نبی ﷺ کبھی نہیں بھولتے۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیتے کہ حضور ﷺ کو تو اللہ نے بتادیا اور فرمایا، لوگوں کو نہ بتانا، چلو پھر بھی کوئی بات بنتی تھی۔ ہزاروں معاملات ایسے ہوں گے جن کو حضور ﷺ جانتے ہیں اور ہم نہیں جانتے۔ ہمارے لیے نہیں تھے حضور ﷺ کے لیے تھے۔ ہم نے حضور ﷺ کے ارشادات سے جانا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برزخ کا ملاحظہ فرمایا۔ شب معراج جنت ودوزخ کا ملاحظہ فرمایا۔ آپ ﷺ کی ہزاروں صفات ایسی ہیں۔ جیسے ہم نے سنا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ بھی ہے۔ حضور ﷺ نے جاکر ملاحظہ فرمالیا۔ ہمیں قرآن نے بتایا ہمیں حدیث نے بتایا کہ آپ ﷺ نے بنفسِ نفیس ملاحظہ فرمالیا۔ تو بھی آپ اتنا کہہ دیتے۔ سرے سے کہہ دیا کہ حضور ﷺ بھول گئے (معاذ اللہ!) یہ بھولنا تو ایسی صفت ہے کہ جو بھولتا ہے تو پھر ایک بات نہیں بھولتا، وہ بات بات میں بھولتا ہے تو انبیاءؑ اگر امت کو بتانے میں بھولنے لگے تو پھر دین کا اعتبار کیا ہے؟ تو یہ فضولیات خرافات، رسومات آگئی ہیں۔ ستائیس کی شب کو ڈھول ڈھمکے بجائے، پٹاخے چلائے اور جشن منالیا، اگر لیلۃ القدر ہی ہے، تو کیا وہ پٹاخے چلانے کے لیے ہے، شور مچانے کے لیے ہے؟ علامہ مرحوم نے کہا تھا۔

یہ امت رسومات میں کھوگئی۔ حقیقت خرافات میں کھوگئی۔

ہم نے دین چھوڑ دیا ہے، اللہ ہمیں معاف کرے اور رسومات اپنالی ہیں۔ دین بڑا سنجیدہ، Solid اور ٹھوس حقائق پر مبنی ہے۔ رسومات کی بنیاد کوئی نہیں ہوتی، وہ جی فلاں نے کسی سے کہا تھا جیسے اکثر لوگ سوال کرتے ہیں تو کہتے ہیں، جی ''لوگ'' کہتے ہیں۔ ''لوگ'' میں تو ساری مخلوق آجاتی ہے۔ لوگ سے مراد تو الناس ہے، ساری اولادِ آدم ہے۔ کوئی مستند بات ہو تو بتاؤ کہ فلاں بندے نے یہ بات کہی ہے کیونکہ اس بات کی کوئی بنیاد (Base) نہیں ہوتی کہ کہیں تھڑے پہ سن لی، کہیں ہوٹل پہ سن لی، کہیں ٹی وی سے سن لی، کہیں رسالے میں پڑھی اور پھر مضمون یہ بنایا کہ ''لوگ'' اس طرح کہتے ہیں۔ یہ لوگوں کا کہنا، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ایک طرف تعیین ہے کہ یہ اللہ فرماتا ہے۔ تعیین ہے کہ یہ اللہ کا رسول ﷺ فرماتا ہے، دوسری طرف آپ اعتراض کرتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں۔ لوگ کون ہوتے ہیں، کون ہیں لوگ؟ کوئی سامنے کھڑا تو ہو، کہے کہ یہ جو سنی سنائی باتیں ہیں ناں انہوں نے اب دین کی جگہ اختیار کرلی ہے کہ لوگ اس طرح کہتے ہیں، اس طرح اختیار کرو۔ دین لوگوں کے کہنے کا نام نہیں ہے، دین اللہ کے ارشاد اور اللہ کے نبی ﷺ کے ارشاد کا نام ہے۔ جو کام کرنے لگو اس میں یہ تلاش کرو۔ یہ پیغام مجھ تک میرے نبی ﷺ نے پہنچایا ہے جو بعثت سے لے کر قیامت تک آنے والی ساری انسانیت کے لیے راہنما ہے۔ پوری زندگی کے نصاب میں جن کی راہنمائی ملتی ہے اور ملتی رہے گی، ان کی بات کرو کہ انہوں نے یہ فرمایا۔ اگر ہم یہ تحقیق وجستجو کریں تو اللہ کرے ہماری رسومات سے جان

چھوٹ جائے لیکن ہمارا قصور تو یہ ہے کہ ہم دینی احکام اس لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے، لوگ ایسا کہتے ہیں۔ لوگ کون ہوتے ہیں؟ لوگ بڑا وسیع لفظ ہے۔ اس میں ساری انسانی آبادی، سارے لوگ آجاتے ہیں تو اس کی کیا حیثیت ہے؟ کوئی بندہ متعین کرو پھر مقابلہ کرو کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا فرمانا یہ ہے، یہ بندہ یہ کہتا ہے کس کی مانی جائے، کون زیادہ معتبر ہے، کون زیادہ سچا ہے؟ پھر پتا چلے، پھر رسومات سے جان چھوٹے اور دین نصیب ہو۔

الحمدللہ! رمضان المبارک نصیب ہوا، اعتکاف نصیب ہوا۔ اور اللہ کا احسان ہے کہ پہلے تو صرف کھانے پینے، معاملات میں انقطاع تھا، پھر مخلوق سے الگ ہو کر اللہ کے گھر میں، اللہ کی بارگاہ میں رات دن، ہمہ وقت حضوری میں رہو سارے کام، معاملات، رشتہ دار، بیوی، بچے، بہن، بھائی سب کو چھوڑ کر، بھلا کر۔ آخری عشرہ ویسے ہی بہت بڑی عطا کا عشرہ ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے عِتْقٌ مِنَ النَّارِ (شعب الایمان) اس عشرے میں دوزخ سے آزادی کے پروانے ملتے ہیں۔ مجھ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ پہلا عشرہ رحمت کا ہے، دوسرا مغفرت کا ہے تو پہلے میں رحمت نصیب ہوگئی دوسرے میں گناہ بخشے گئے، رحمت یعنی نیکی کرنے کی توفیق مل گئی، بخشش یعنی جو پیچھے کر چکے تھے برائیاں وہ معاف ہوگئیں تو پھر یہ تیسرے عشرے میں سرٹیفکیٹ مل گیا دوزخ سے آزادی کا، تو پہلے دو عشروں اور تیسرے عشرے میں کیا فرق ہے؟ بات تو وہی ہے۔ پہلے میں رحمت نصیب ہوگئی، دوسرے میں گناہ معاف ہوگئے تو بندہ جہنم سے تو آزاد ہوگیا۔ میں نے کہا بھئی فرق ہے۔ پہلا عشرہ رحمت کا ہے، کس نے پایا، کس نے روزے کا حق ادا کیا، کس کی نیت ارادہ اور عمل اللہ کی رضا کے لیے یکسو تھے؟ جس نے ایسا کیا اس نے رحمت پائی۔ کتنے لوگ ہیں جنہوں نے روزہ رکھا، سوائے بھوک پیاس کے کچھ نہیں پاسکے۔ دوسرے عشرے میں گناہوں کی معافی ہے، مغفرت ہے، اس میں وہ کمیاں بھی آجاتی ہیں جو روزے میں رہ جاتی ہیں، پہلے عشرے میں بھی جو روزے رکھے ان میں بھی کوئی کمی خامی رہ گئی تو بندے کو چاہیے کہ وہ بھی دور کر کے بخشش حاصل کرے، پچھلے گناہ بھی معاف ہوں گے، لیکن کتنوں نے اس کو پایا؟ اور یہ تیسرا جو ہے اس میں حساب کتاب نہیں ہے کہ پچھلے گناہ کتنے تھے، موجودہ نیکیاں کتنی ہیں؟ جس نے خلوص سے، ایمان سے اور احتساب سے روزہ رکھا، اسے دوزخ سے رہائی کا پروانہ مل گیا۔ کسی نے اس کا حساب کتاب نہیں پوچھا کہ اب تک تم یہ کرتے رہے ہو، پرسوں تم نے یہ کیا تھا، پچھلے سال تمہارے اتنے گناہ، اتنی خطائیں تھیں، وہ بات گئی۔ ہاں، روزہ ہو، خلوص کے ساتھ شرعی احکام کے مطابق روزہ ہو، تو بغیر پوچھے اسے پروانہ ملے گا کہ تم جہنم سے آزاد ہو۔ اب غور کا مقام یہ ہے کہ جو بندہ جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے اس کا کردار کیا ہوتا ہے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جن لوگوں نے بدر میں شرکت کی، جنت ان کو عطا کر دی گئی، اس کے بعد خواہ کچھ بھی کریں، وہ جنتی ہیں۔ عجیب بات تھی۔ اصحاب بدر مدتوں زندہ رہے، برسوں زندہ رہے، زندگی میں کوئی بھی گناہ ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرامؓ اللہ پاک ان پر کروڑوں رحمتیں فرمائے، ایک ایک بات کی اتنی تحقیق کر لیتے تھے، قیامت تک لوگوں کو سوال سے بے نیاز کر دیتے تھے۔ عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! اصحاب بدر بھی انسان ہیں اگر وہ کفر و شرک کر بیٹھیں، چوری، بدکاری کر بیٹھیں؟ فرمایا، جنت ان کا گھر ہے خواہ کچھ بھی ہو۔ شارحین حدیث جب اس پہ بحث کرتے ہیں، اس کی شرح لکھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ فرمانا برحق ہے اور یہ فرمایا کہ جو چاہیں کر لیں، یہ بھی برحق ہے، لیکن جسے اللہ جنت دیتا ہے اس کے خیالات و آرزوئیں اہلِ جنت کی طرح کر دیتے ہیں۔ جب اللہ نے انہیں جنتی قرار دے دیا تو اب ان کا گناہ کو جی نہیں چاہتا۔ بے شک آزادی مل گئی جو چاہو کرو لیکن وہ کرتے وہی ہیں جو اہلِ جنت کو کرنا چاہیے۔ تو پھر جسے رمضان المبارک میں رحمت بھی ملی، بخشش بھی ملی، جہنم سے رہائی کا پروانہ مل گیا وہ تو جہنم سے بچ گیا، وہ جنت چلا جائے گا۔ دوہی تو گھر ہیں۔ تو شکر الحمدللہ! ہم بھی جنتی ہوگئے، اب ہمارے جنتی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آئندہ ہماری سوچ، فکر اور کردار اہلِ جنت جیسا ہو جائے۔

یہ دو باتیں نوٹ کر لیں۔ ایک یہ سمجھنا کہ قرآن ختم ہوگیا، رمضان رخصت ہوگیا۔ یہ ویسے ہی دنیادار لوگوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ قرآن ختم نہیں ہوتا، قرآن مکمل ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے، کوئی حافظ کوئی قاری والناس پہ ختم نہیں کرتا، سورۃ بقرہ پہ ختم کرتا ہے یعنی پھر سے شروع کر کے ختم کرتا ہے اور جو ہم لوگ روزانہ تلاوت کرتے ہیں ہمیں بھی چاہیے کہ جب والناس پر پہنچیں تو کم از کم سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ البقرہ کا پہلا رکوع پڑھ کر ختم کریں۔ یعنی قرآن کو ختم کر کے نہیں رکھا جاتا، شروع کر کے رکھا جاتا ہے۔

یہ زندگی بھر کی حیات کا سامان ہے۔ تھوڑا سا بندہ سوچے کہ یہ وہ الفاظ ہیں جو اللہ کا ذاتی کلام ہے، پھر بذریعہ وحی، قلب اطہر محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، پھر آپ ﷺ کے لب ہائے مبارک اور آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر جاری ہوا۔ پھر اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں کتنی شیرینی، کتنی مٹھاس، کتنی لذت ہے۔ اور پھر بندہ جب ایک ایک لفظ پڑھتا ہے تو اسے وہ لذتیں نصیب ہوتی ہیں جو لب ہائے مبارک پر تھیں۔

میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیے

قوتِ گویائی کو نطق کہتے ہیں یعنی بولنے کی طاقت کو کہ وہ بھی زبان کے بوسے لے رہی ہے کہ تم سے کون سے الفاظ نکل رہے ہیں! پھر پتا چلتا ہے کہ قرآن کیا ہے، اس کی تلاوت کیا ہے، حلاوت کیا ہے، لذت کیا ہے؟ اسے کتاب سمجھ کر رٹتے جاؤ ایک کتاب ہے، اور رکھ دو تو اس سے کیا ہوگا؟ اس طرح رمضان بھی بہت بڑی نعمت ہے اور اتنا کرم ہے اللہ کا کہ اس نے ہر سال میں ایک مہینہ عطا کر دیا۔ اب کوئی اسی نوے سال کا ہو کر مرتا ہے اور اپنی بلوغت سے موت تک ساٹھ پینسٹھ ستر رمضان گزارتا ہے اور پھر اسے نجات کی اُمید نہیں تو پھر حد ہو گئی۔ اور پھر یہ انسان ہی کیا! جو اتنی نعمتوں کو، اتنی رحمتوں کو، اتنی بخششوں کو ضائع کر کے پھر ویسے کا ویسا رہا۔ کافر کو تو جانے دیں وہ تو بدنصیب تھا، بات اس کی کریں جس نے کلمہ بھی پڑھا، ان حقائق کو مانا بھی اور پھر تہی دامن بھی رہا۔ کیسی عجیب بات ہے؟ میں یوں سمجھتا ہوں کہ جو ہم سے پہلے گزر گئے بڑے خوش نصیب لوگ تھے۔ جنہوں نے بجلی کے آلات کا زمانہ نہیں پایا وہ بڑے خوش نصیب لوگ تھے، ہمیں تو ان سہولتوں کے بے جا استعمال نے برباد کر دیا۔ ٹیلیویژن نے، موبائل فونز نے، کمپیوٹر نے، فیس بک (facebook) نے، یوٹیوب (youtube) نے ہمارا حشر کر دیا۔

ہمارے ایک عزیز ہوتے تھے بالکل کورے ان پڑھ، سادہ زمیندار، غریب آدمی تھے۔ دو چار جانور اور تھوڑی سی زمین کاشتکاری کے لیے، کپڑا بھی وہیں سے بنانا ہے، جوتا بھی وہیں سے بنانا ہے، بچے بھی وہیں سے پالنے ہیں، سارا خرچ وہیں سے نکالنا ہے۔ وہ بیمار ہو گئے۔ بہت زیادہ بیمار تھے۔ مغرب کے وقت میں بھی گیا ان کی طبیعت پوچھنے کے لیے، گھنٹہ بھر بیٹھا رہا پھر اُٹھ آیا۔ سونے کا وقت ہو گیا، میں ابھی آکر لیٹا ہی تھا، سویا نہیں تھا کہ پیچھے ہی ایک شخص آ گیا کہ وہ آپ کو بلا رہا ہے۔ میں نے کہا، میں ابھی وہاں سے آیا ہوں۔ اس نے کہا جی بلا رہا ہے۔ میں گیا تو مکان گھر کی بیبیوں سے بھرا ہوا تھا، اور کچھ اس کے دوست پانچ دس مرد بھی وہاں جمع تھے۔ پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگا یار میرا وقت آ گیا ہے۔ وقتِ آخر آ گیا ہے۔ اس کا ایک اور دوست وہاں تھا، اس نے کہا گھبراؤ نہیں تم چنگے بھلے ہو۔ اس نے کہا، نہیں میں گھبراتا نہیں ہوں، میں چنگا بھلا ہوں ٹھیک ہوں لیکن میرا وقت آ گیا ہے، میرے پاس وقت تھوڑا ہے۔ ذرا مجھے بات بھی صحیح کر لینے دو۔ مجھے کہنے لگے کہ آپ کوئی پنسل کاپی لو، میں نے کچھ لوگوں کے پیسے دینے ہیں، کچھ سے لینے ہیں، جو اس وقت حافظے میں آتے ہیں وہ لکھ لو، چھوٹی چھوٹی رقم تھی۔ میں نے فلاں کے بیس روپے دینے ہیں، فلاں کے دس دینے ہیں، فلاں کے میں نے پچیس دینے ہیں۔ کوئی پندرہ بیس جن کے دینے تھے شاید کوئی اتنے اس نے لکھوائے ہوں گے لیکن رقم کوئی بھی اس میں سو (100) نہیں تھی، جو اس کی حیثیت تھی اس کے مطابق تھی۔ اتنے اس کے دینے ہیں اتنے اس سے لینے ہیں، وہ مجھے لکھواتا رہا، میں نے لکھ لیا۔ وہ کہنے لگا میری بیوی کہاں ہے، بیٹیاں کہاں ہیں؟ انہیں بلایا، اس نے کہا دیکھو میں نے اچھی یا بری جو میرے نصیب میں تھا میں نے زندگی بسر کی، لوگ مجھے اچھا کہتے تھے۔ اللہ سے ڈرنا، میرے مرنے کے بعد کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ تمہاری وجہ سے لوگ مجھے برا کہیں۔ انہوں نے شور مچا دیا، اس کی بیوی نے کہا ہم کس کے حوالے، ہمارا کون ہے؟ اس نے کہا سب کا اللہ ہے، تمہارا بھی اللہ ہے۔ ایک وصیت بھائی کے لیے کی جو اس سے ناراض تھا، اس وقت بھی نہیں آیا۔ اس نے کہا کوئی بات نہیں لیکن یہ بات اسے پہنچا دینا۔ پھر کہنے لگا کہ اب مجھے باتوں میں نہ لگاؤ وقت تھوڑا ہے، تم سب بھی کلمہ شریف پڑھو مجھے بھی پڑھنے دو۔ مجھے یاد ہے کہ وہ بتاتا رہا اب میری روح پاؤں کی طرف سے نکل رہی ہے، اب گھٹنوں تک روح نہیں ہے، اب کمر تک، یہاں تک اس نے بتایا۔ جب سینے سے اوپر ہوئی کہا، نیچے روح نہیں ہے۔ وہ کوئی بزرگ نہیں تھا۔ کوئی پارسا نہیں تھا، لیکن اسے اس الیکٹرانک میڈیا نے خراب نہیں کیا تھا، اس کے ذہن میں یکسوئی تھی، اس کا اللہ پر یقین تھا، اسے آخرت پر اعتماد تھا۔

ہم سمجھتے ہیں ہم نے ترقی کر لی۔ اس ترقی نے تو ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا، ہمارے یقین متزلزل ہو گئے، ہمارے ایمانوں میں کمی آ گئی۔ یہ الیکٹرانک میڈیا ہمہ وقت ہمارے نفس کو بھڑکا رہا ہے، پال ہی نہیں رہا، بھڑکا رہا ہے، یہ کر دو وہ کر دو۔ جہاں اس سے بہت بڑی خرابی ہو گئی ہے وہاں ایک بات مزے کی بھی ہے کہ اس عہد میں بھی جو اللہ پر، یقین پر قائم رہا اس پر تو

اللہ کی بے پناہ رحمتیں ہیں۔ جتنے حالات مشکل ہو جائیں ان میں جتنا کوئی استقامت دکھائے یہ تو اور اللہ کی مہربانی ہے۔ جب برائی عام ہو جائے اس وقت بھی نیکی پہ قائم رہنا یہ تو اللہ کی خاص عطا ہے۔ اس دور کا نرا نقصان ہی نہیں اس کا فائدہ بھی ہے۔ ان سب بے حیائیوں سے بچ کر پھر اللہ کے دین پہ قائم رہنا، یقین کامل رکھنا، دل سے قائم رکھنا بڑی اللہ کی رحمت ہے۔ رمضان المبارک بڑا مزہ تھا، بہت مزے کی محفلیں تھیں، بہت مزے کے اسباق تھے اور پر لطف ساعتیں تھیں، الحمدللہ! اللہ کریم آپ کی محنت قبول فرمائے۔

یہ دارالعرفان بھی عجیب شہر ہے، یہ پل بھر میں آباد ہو جاتا ہے تو اتنا آباد ہوتا ہے کہ اس کی آبادی باہر چھلکنے لگتی ہے۔ پل بھر میں سارے چلے جاتے ہیں اور ہم دیکھتے رہتے ہیں کہ یار کل تو یہاں بڑا ہجوم تھا۔ یہ بھی انسانی زندگی کا پورا نقشہ پیش کرتا ہے۔ ایک بندے سے بڑی رونق ہوتی ہے پھر اگلے دن وہ قبر میں اتر جاتا ہے، کوئی پتا نہیں لگتا کہ کہاں گیا؟ ہم یہ تماشہ سال میں کئی بار دیکھتے ہیں اور اندازہ کرتے رہتے ہیں، سوچتے رہتے ہیں کہ ہر شمع کو بجھنا ہے، ہر لو کو بھڑک کر بجھنا ہے، آگے جانا ہے۔ ہر ایک کو جانا ہے، اپنے اپنے وقت پر، خوش نصیب وہی ہیں جو اللہ کی عطاؤں سے دامن بھر لیں۔ موت سے تو مفر نہیں ہے، بھاگ تو کوئی نہیں سکتا کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران: 185) ہر ایک کو ذائقہ چکھنا ہے، ہر ایک کو اس راہ سے گزرنا ہے۔ موت کسی کے لیے دکھ کا سامان بن جاتی ہے، کسی کے لیے راحت اور خوشی کا۔ اللہ کے بندے کہتے ہیں الموت جسر یوصل حبیب الی الحبیب موت پل ہے چاہنے والے کو اپنے محبوب کی بارگاہ میں پہنچا دیتی ہے۔ کچھ کہتے ہیں موت کیا ہے؟ ینتقل من المکان الی المکان ہم ایک گھر سے دوسرے گھر چلے جاتے ہیں۔ کچھ بیچارے لرزتے رہتے ہیں پتا نہیں موت سے کیا ہوگا؟ کیا کیا حال ہوتا ہے۔

تو یہ لمحے، یہ ساعتیں، اپنی زندگی، اپنی بقا، اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہیں۔ حقیقی زندگی تو مر کر شروع ہوتی ہے، حقیقی راحتیں موت کے بعد آتی ہیں، باقی رہنے والی زندگی آخرت کی ہے، جو ان ساعتوں کے ایک ایک لمحے میں بن سکتی ہے۔ الحمدللہ! خوش نصیب ہیں لوگ جنہیں رمضان المبارک اپنی کیفیات سے نصیب ہوا، جنہیں اللہ نے اعتکاف کی توفیق نصیب فرمائی۔ وہ کریم ہے، اس کی بارگاہ سے اُمید ہے انہیں محروم نہیں فرمائے گا۔ اپنے گھر پہ بلا کر خالی ہاتھ نہیں بھیجے گا۔ بہرحال خوشی کا موقع ہے، اللہ کا شکر بجا لانے کا موقع ہے، رمضان کو دل میں بسا لینے کا موقع ہے۔ اللہ کریم سب کو یہ نعمتیں نصیب کرے (آمین)

دین کے معاملے میں لوگوں کی بات نہ سنا کرو کہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ لوگوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ دین، اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کے حکم کا نام ہے۔ لوگوں کے کہنے سے دین نہیں رہتا۔ رسومات سے بچو۔ حقائق پر عمل کرو۔ حقیقت پسندی سے کام لو۔ انسانی زندگی میں دکھ سکھ، نشیب و فراز، صحت و بیماری یہ خاصہ ہے زندگی کا، اس سے فرق نہیں پڑتا، فرق اس سے پڑتا ہے کہ ہمارا تعلق اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے استوار رہے۔ اس میں کوئی رخنہ نہ آئے، وہ سلامت رہے۔ اگر وہ سلامت ہے تو کوئی مصیبت، مصیبت نہیں رہتی، کوئی دکھ، دکھ نہیں رہتا اور اگر وہی جاتا رہا تو دنیا کی کوئی راحت، راحت نہیں۔ لوگوں کے پاس حکومتیں اور محلات ہوتے ہیں لیکن دل تڑپتے رہتے ہیں، ایک لمحہ سکون کا نہیں ہوتا۔ اور کچھ لوگوں کو سرِ دار وہ لذت ملتی ہے جنہیں محلات میں نہیں ملتی۔

اللہ کریم سب کو استقامت نصیب فرمائے، اللہ کرے یہ رمضان ہمارے دلوں میں ہمارے سینوں میں رچ بس جائے، اللہ کرے ہمیں تقویٰ نصیب ہو جائے۔ ایک بزرگ کی حکایت بیان کرتے ہیں۔ نماز کا وقت ہو رہا تھا، مزدوری کرتے تھے۔ اپنے گاؤں سے اٹھے اور بھاگے بھاگے گئے استنجے کے لیے ڈھیلے تلاش کرنے تو جس ڈھیلے کو ہاتھ لگاتے وہ سونا ہو جاتا تو پھینک دیتے مجھے تو استنجے کے لیے چاہیے میں سونے کو کیا کروں۔ دوسرا اٹھاتے وہ سونا بن جاتا، جب بہت سا سونا بن گیا تو انہوں نے کہا اللہ میرے ساتھ مذاق نہ کر، میری نماز جا رہی ہے۔ یہ مذاق کا وقت نہیں، بارِ الٰہا میرے ساتھ مذاق نہ کر، میری نماز جا رہی ہے، مجھے ڈھیلے دے دے۔ یار کیا لوگ ہوتے ہیں یہ! لوگ سونے کو ترستے ہیں اور اسے سونا ملا تو وہ کہتا ہے، اللہ پاک مذاق نہ کر، مجھے سونا نہیں مجھے ڈھیلے چاہئیں، میری نماز جا رہی ہے۔ تو اس بندے کا اللہ کریم سے کس طرح کا تعلق ہوگا؟ کیا رشتہ اس کا دین کے ساتھ، کیسی نسبت اس کی اپنے نبی ﷺ سے! عجیب باتیں ہوتی ہیں عجیب لوگ ہوتے ہیں لیکن انہی بھٹیوں سے کندن بن کر نکلتے ہیں۔ اللہ کرے یہ نعمتیں سب کو نصیب ہوں، رمضان ہمارے دلوں میں زندہ رہے، قرآن ہمارے سینوں میں بھی رہے، ہماری آنکھوں کے سامنے بھی رہے اور ہماری زبان پہ بھی جاری رہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کے فرمان ہمارے کردار سے جھلکیں اور اللہ بخیر و عافیت اپنی بارگاہ میں بلا لے۔ (آمین)

خواتین کا صفحہ

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

ام فاران، راولپنڈی

نام ونسب:

اسماءؓ نام تھا اور آپؓ قبیلۂ خشعم سے تعلق رکھتی تھیں۔ والد کا نام عمیس بن سعد تھا اور والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا جو قبیلہ کنانہ سے تھیں (اصابہ، ج:۸،ص:۱۶۱ یا و اسد الغابہ، ج:۴،ص:۵۴)

☆ امّ المومنین حضرت میمونہ بنتِ حارث بھی ہند بنتِ عوف کے بطن سے تھیں۔ اس نسبت سے حضرت اسماءؓ، ام المومنین حضرت میمونہؓ کی اخیافی بہن تھیں۔

☆ قبولِ اسلام: علامہ ابن سعدؒ اور ابنِ ہشام کے مطابق جس زمانہ میں حضرت اسماء نے اسلام قبول کیا اس وقت صرف تیس نفوس، اسلام سے بہرہ مند ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ ابھی تک دارِ ارقم میں مقیم نہیں ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت اسماء کو سابقون الاولون میں بھی امتیازی درجہ حاصل ہے۔

نکاح: تاریخِ اسلام میں حضرت اسماءؓ کو اس بنا پر بھی بڑی شہرت حاصل ہوئی کہ ان کا نکاح یکے بعد دیگرے تین ایسی عظیم المرتبت ہستیوں سے ہوا جو قصرِ اسلام کے عظیم ستون تھیں اور نبی کریم ﷺ کو بے حد محبوب تھیں۔

☆ حضرت اسماءؓ کا پہلا نکاح حضرت جعفرؓ طیار بن ابی طالب سے ہوا جو حضور ﷺ کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھائی تھے اور ان سے دس برس بڑے تھے۔ جس وقت حضرت اسماء مسلمان ہوئیں حضرت جعفرؓ نے بھی اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ (بخاری، ج2:،ص:607, 608؛اصابہ، ابنِ سعد؛سیرت ابنِ ہشام، ج:1،ص:132)

☆ ان کی شہادت کے بعد حضرت اسماء کا نکاح حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوا، ان کی وفات کے بعد تیسرا نکاح فاتحِ خیبر حضرت علیؓ سے ہوا۔ تینوں ہستیاں آنحضرت ﷺ کو حد درجہ محبوب تھیں اور آپ ﷺ انہیں جنت کی بشارت دے چکے تھے۔

عام حالات: 4 نبوی بعدِ بعثت میں جب رحمت عالم ﷺ نے اعلانیہ لوگوں کو دعوتِ اسلام دینا شروع کی تو مشرکین بھی کھلے عام دشمنی پر اتر آئے۔ انہوں نے حق قبول کرنے والوں پر مظالم ڈھانا شروع کر دیئے جب یہ مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو 5 نبوی بعد بعثت میں حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ حبش (ایتھوپیا) کو ہجرت کر جائیں جہاں کا بادشاہ ایک نیک دل عیسائی تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ کے ایماء پر پہلی مرتبہ 11 مردوں اور 4 عورتوں نے حبش کی طرف ہجرت کی۔

☆ ہجرت حبشہ: 6 نبوی بعداز بعثت، 80 سے زیادہ مردوں اور 19 خواتین پر مشتمل قافلہ مکہ سے نکلا اور حبش کا رخ کیا۔ اس قافلہ میں حضرت اسماءؓ اور اُن کے شوہر حضرت جعفر طیارؓ بھی شامل تھے۔

قریشِ مکہ نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ ان کے پہنچنے سے قبل کشتیوں میں سوار ہو چکے تھے۔ غریب الوطنی، بیماری اور تنگدستی کے باوجود یہ لوگ صبر و استقامت سے حبش میں امن کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ قریش کو یہ بھی گوارا نہ ہوا تو ''نجاشی'' شاہِ حبشہ کے پاس ایک وفد تحفے تحائف دے کر بھیجا جس کا مقصد نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا تھا تا کہ وہ انہیں اپنے ملک سے نکال دے۔ وفد کی قیادت

عمر بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کر رہے تھے جو بہت زیرک اور منجھے ہوئے تھے۔ انہوں نے درباریوں کو تحائف دے کر ساتھ ملایا کہ وہ دربار میں ان کا ساتھ دیں گے اور اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کی تفصیل کتب سیر میں محفوظ ہے۔ نجاشی نے وفد کی بات سننے کے بعد مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا تا کہ صورتِ احوال کی خود تحقیق کر سکے۔ مسلمان جب نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے تو انہوں نے بالاتفاق حضرت اسماءؓ کے شوہر نامدار حضرت جعفر طیارؓ کو اپنا ترجمان بنایا جو بہت نکتہ رس انسان تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ نجاشی، دینِ عیسوی کا پیروکار ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی طرف سے قریش کے الزامات کا جواب دینے کے لیے سورۂ مریم کا وہ ابتدائی حصہ تلاوت کیا جو حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہے۔ اسے سُن کر نجاشی پہ رقت طاری ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کو قریش کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ غرض قریش کی سفارت بے نیل و مرام واپس گئی۔

☆ **حضرت جعفر کی روایت:** ابن عساکرؒ اور طبرانیؒ نے حضرت جعفر طیارؓ کی ایک روایت بیان کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ''جس مجلس میں ہم نے نجاشی کے سامنے حضرت عیسیٰؑ کے بارے اپنا عقیدہ بیان کیا، اس کے آخر میں نجاشی نے ہم سے پوچھا ''کیا میرے ملک میں کوئی تمہیں تکلیف تو نہیں دیتا؟

ہم نے کہا: ''ہاں! یہاں کے لوگ ہمیں ستاتے ہیں۔''

اس پر بادشاہ نے حکم جاری کر دیا کہ ''جو ان لوگوں کو ستائے گا اس پر چار درہم جرمانہ کیا جائے گا۔''

پھر نجاشی نے دریافت کیا ''کیا یہ جرمانہ کافی ہے؟ ہم نے کہا نہیں اس پر اس نے جرمانہ دوگنا کر دیا۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حبشہ میں حضرت اسماءؓ اور دیگر مسلمانوں کی زندگی کیسی تھی بلکہ اس سفارت کے آنے سے پہلے وہ بالکل محفوظ و مامون نہ تھے لیکن اس واقعہ کے بعد غریب الوطنی میں ان کی زندگیاں نسبتاً آسان ہوگئیں۔

☆ **مدینہ منورہ واپسی:** حضرت اسماءؓ بنت عمیس اور ان کے شوہر و دیگر مسلمان چودہ برس تک حبش میں رہے اور اس دوران سرورِ کائنات ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ بدر و احد اور خندق و خیبر کے معرکے گزر چکے تو ہجرتِ مدینہ کے چھ سال بعد 7 ہجری میں جب خیبر فتح ہوا تو اسی دوران سارے مسلمان جو حبش میں مقیم تھے مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

خیبر کی فتح سے مسلمان پہلے ہی شاداں و فرحاں تھے، اپنے ان مسلمان بھائیوں کی آمد سے انہیں دُہری خوشی ملی۔

رحمت عالم ﷺ نے حضرت جعفر طیارؓ کو گلے سے لگایا، ان کی پیشانی چومی اور فرمایا: ''میں نہیں جانتا مجھے جعفرؓ کے آنے کی زیادہ خوشی ہے یا خیبر کی فتح کی۔''

☆ **مہاجرین حبشہ کی فضیلت و مرتبہ:** فتح خیبر کے چند روز بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اپنی صاحبزادی، اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ کے گھر ان سے ملنے گئے وہاں ایک اجنبی خاتون کو حضرت حفصہؓ سے باتیں کرتے ہوئے پایا تو پوچھا ''یہ بی بی کون ہیں؟''

حضرت حفصہؓ نے بتایا، ''یہ اسماءؓ بنتِ عمیس زوجہ جعفرؓ طیار بن ابی طالب ہیں۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا، ''وہ حبش والی، وہ سمندر والی؟''

حضرت اسماءؓ نے فرمایا ''جی وہی''

تو حضرت عمرؓ نے (یا تو از راہِ خوش طبعی اور یا اس لیے کہ بعض صحابہ کا یہ خیال تھا کہ اصل مہاجرین وہی ہیں جنہوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی) فرمایا ''ہم نے تم سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی اس لیے ہمیں تم پہ فضیلت حاصل ہے اس لیے ہم تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مستحق ہیں۔''

یہ سُن کر حضرت اسماءؓ کو غصہ آ گیا اور بولیں، ''کبھی نہیں! آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ حضور ﷺ بھوکوں کو

کھانا کھلاتے تھے اور جاہلوں کو تعلیم دیتے تھے اور ہمارا یہ حال تھا کہ ہم حبش کی مبغوض ترین سرزمین پر غریب الوطنی کی خاک چھان رہے تھے، ہم کو ایذا دی جاتی تھی، ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضا جوئی کے لیے تھا۔ خدا کی قسم! جو کچھ آپؓ نے کہا ہے جب تک اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے نہ کرلوں، نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی۔''

خدا کی قسم! کسی قسم کا جھوٹ نہ بولوں گی نہ کج روی اختیار کروں گی اور اس واقعہ میں چنداں اضافہ نہ کروں گی۔''

کچھ دیر بعد آنحضرت ﷺ اپنے مکان پہ تشریف لائے تو حضرت اسماء نے سارا قصہ بیان فرمایا:

حضور ﷺ نے سب سُن لینے کے بعد ارشاد فرمایا۔'' وہ تم سے زیادہ میرے مستحق نہیں ہیں۔ عمرؓ اور ان کے ساتھیوں کی صرف ایک ہجرت ہے اور تم اہل کشتی کی دو ہجرتیں ہیں۔''

یہ سُن کر وہ اس قدر مسرور ہوئیں کہ بے اختیار ان کی زبان پر تہلیل وتکبیر جاری ہوگئی اور جب مدینہ میں اس گفتگو کا چرچا پھیلا تو مہاجرین حبشہ جوق در جوق حضرت اسماءؓ کے پاس آتے اور ان سے واقعہ کی تفصیل سنتے اور خوشی سے باغ باغ ہوجاتے ان کے لیے دنیا کی تمام فضیلتیں (اور تکلیفیں بھی) اس ارشاد پاک کے سامنے ہیچ تھیں۔

☆ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں'' حبشہ کے مہاجرین کے لیے دنیا میں رسول پاک ﷺ کے اس ارشادِ مبارک سے بڑھ کر حوصلہ افزا اور مسرت انگیز اور کوئی شے نہ تھی۔'' (بخاری، ج:2، ص:207، 208)

☆ غزوہ موتہ اور حضرت جعفرؓ کی شہادت: حضرت اسماء اور حضرت جعفر طیارؓ کو مدینہ آئے ہوئے ابھی ایک سال ہی گزرا تھا کہ ایک بار پھر ان کی آزمائش کا وقت آ گیا۔

8 ہجری میں، شام کے قصبے موتہ کے رئیس شرجیل ابنِ عمر غسانی نے رسول اکرم ﷺ کے سفیر حارثؓ بن عمیر ازدی کو شہید کردیا جو آپ ﷺ کا نامہ مبارک حاکمِ بصریٰ کے پاس لے جارہے تھے۔

حضور ﷺ کو یہ سخت گراں گزرا اور آپ ﷺ نے تین ہزار مجاہدین کا لشکر موتہ کی طرف روانہ کیا۔ اس لشکر کی قیادت حضرت زیدؓ بن حارثہ کررہے تھے۔ لشکر میں حضرت جعفر طیارؓ بھی شامل تھے۔

لشکر کو رخصت کرتے وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

'' اگر لڑائی میں زیدؓ شہید ہوجائیں تو جعفرؓ امیر ہوں گے اگر جعفرؓ بھی شہادت پاجائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ ان کی جگہ لیں گے۔''

موتہ کے علاقے میں اتفاق سے ان دنوں ہرقل، شاہِ روم بھی آیا ہوا تھا۔ سرجیل نے اس سے مدد مانگ لی، اس نے ایک بھاری لشکر اس کی مدد کو روانہ کردیا۔ دیگر قبائل بھی شرجیل کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے یوں مجاہدین کی تعداد تین ہزار کے مدِ مقابل دشمن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی اُوپر تھی۔ مدینہ منورہ سے دوری کی بنا پر کمک طلب کرنا بھی ممکن نہ تھا اور پیچھے ہٹنا بھی ممکن نہیں تھا۔

غرض، موتہ کے میدان میں خونریز جنگ ہوئی۔ امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ لڑتے لڑتے شہید ہوئے تو حضرت جعفرؓ نے علم سنبھالا اور پامردی سے ٹڈی دل دشمن کا مقابلہ کیا۔ تقریباً نوے زخم کھائے جن میں سے ایک بھی پشت پہ نہ تھا۔ ایک ہاتھ قلم ہوا تو دوسرے ہاتھ میں علم پکڑا، وہ بھی کٹ گیا تو دانتوں سے پکڑلیا اور تیروں، تلواروں کی چھاؤں میں دینِ حق کا یہ علمبردار شہید ہوگیا۔

عین اس وقت جب لڑائی زور پہ تھی تو اللہ نے میدانِ جنگ کا حال آپ ﷺ کے سامنے پیش کردیا۔ جب حضرت جعفرؓ کے دونوں بازو شہید ہوئے اور آپ ﷺ نے انہیں شہید ہوتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور فرمایا، میں جعفرؓ کو جنت میں نئے بازوؤں کے ساتھ پرواز کرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ اس ارشاد کی بنا پر انہیں'' طیار'' اور ''ذوالجناحین'' کے القاب ملے۔

حضرت جعفرؓ کے بعد علم حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ نے سنبھالا اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے تو علم خالد بن ولیدؓ نے سنبھال لیا اور مسلمانوں کو للکار للکار کر لڑائی پہ ابھارنے لگے اس دن خالدؓ کے ہاتھوں

میدانِ جنگ میں نو تلواریں ٹوٹیں۔ حضور ﷺ نے جب خالدؓ کو علم اُٹھاتے دیکھا تو فرمایا ''اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے علم سنبھالا ہے'' چنانچہ اسی دن سے حضرت خالدؓ کو ''سیف اللہ'' پکارا جانے لگا۔ حضور ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کو لڑائی کا حال یوں بتا رہے تھے گویا آپ ﷺ کے سامنے ہو رہی ہے۔

بالآخر مٹھی بھر مسلمانوں نے اپنے سے چالیس گنا فوج کو پسپائی پہ مجبور کر دیا اور لشکر کو نہایت وقار سے واپس بچا کر لے آئے اس واقعہ کے بعد حضور ﷺ حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لے گئے وہ اس وقت بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنا رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا ''جعفرؓ کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔''

اور حضور ﷺ نے انہیں گلے سے لگایا اور ان کی پیشانیاں چومیں۔ حضرت اسماءؓ حضور ﷺ کے آبدیدہ ہونے پہ پریشان ہوگئیں اور دریافت کیا ''یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپ ﷺ کیوں غمگین ہیں؟ کیا جعفرؓ کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟''

حضور ﷺ نے فرمایا ''ہاں وہ شہید ہو گئے ہیں۔''

یہ سنتے ہی حضرت اسماءؓ کی چیخ نکل گئی، اس پر پڑوس کی خواتین بھی جمع ہوگئیں۔ رحمتِ عالم ﷺ واپس تشریف لے گئے اور ازواجِ مطہرات کو تاکید فرمائی:

''آلِ جعفرؓ کا خیال رکھنا وہ اپنے ہوش میں نہیں، انہیں سینہ کوبی اور بین سے منع کرنا۔''

☆ سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کو بھی اپنے چچا کی مفارقت کا سخت رنج ہوا اور وہ ''واعماہ، واعماہ'' کہہ کر روتی ہوئی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''بے شک جعفرؓ جیسے شخص پہ رونے والیوں کو رونا چاہیے۔'' اس کے بعد اپنی عزیز بیٹی سے فرمایا ''فاطمہؓ! جعفرؓ کے بچوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ وہ رنج و غم میں مصروف ہیں۔''

مسندِ احمد میں یہی واقعہ اس فرق کے ساتھ بیان ہے کہ حضرت اسماء فرماتی ہیں ''میں بچوں کو نہلا دھلا کر حضور ﷺ کی خدمت لے کر حاضر ہوئی۔'' (مسند، ج:6، ص:370)

تیسرے دن حضور ﷺ حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کو صبر کی تلقین کی۔

☆ **دوسرا نکاح:** حضرت جعفرؓ کی شہادت کے چھ ماہ بعد 8 ہجری میں جب غزوہ حنین کا زمانہ تھا، حضور ﷺ نے حضرت اسماء بنت عمیس کا نکاح اپنے محبوب رفیق حضرت ابوبکرؓ سے فرما دیا۔ دو برس بعد ان کے ہاں محمد بن ابوبکرؓ پیدا ہوئے تب حضرت اسماءؓ حج کے لیے آئی ہوئی تھیں اور ذوالحلیفہ میں محمد بن ابی بکرؓ کی ولادت ہوئی۔ حضرت اسماءؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ ''یارسول اللہ ﷺ! اب میں کیا کروں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا غسل کر کے احرام باندھ لو۔ (مسلم، ج:1، ص:385)

☆ **حضور ﷺ کا وصال مبارک:** آنحضرت ﷺ کے مرض الموت میں حضرت ام سلمہؓ اور اسماءؓ نے ذات الجنب تشخیص کیا اور دوا پلانا چاہی۔ حضور ﷺ کو گوارا نہ ہوئی اور منع فرمایا اور غشی میں چلے گئے۔ انہوں نے منہ کھول کر دوا پلا دی۔ آپ ﷺ کو افاقہ محسوس ہوا تو فرمایا: ''یہ مشورہ اسماء نے دیا ہوگا۔ حبشہ سے اپنے ساتھ یہی حکمت لائی ہیں، عباسؓ کے علاوہ سب کو دوا پلائی جائے۔'' چنانچہ تمام ازواجِ مطہرات کو دوا پلائی گئی۔ (بخاری، ج:2، طبقات، ج:2 ص:32,31)

11 ہجری میں حضور ﷺ کے وصالِ مبارک سے ہر ایک پر ہی غم کا پہاڑ ٹوٹا لیکن حضرت فاطمہ الزہراؓ نہایت صدمے میں تھیں۔ حضرت اسماءؓ نے خود ضبط سے کام لیا اور اپنا بیشتر وقت ان کی دلجوئی میں صرف کرنے لگیں۔

☆ **حضرت فاطمہ الزہراؓ کا وصال:** تھوڑے ہی عرصے میں حضرت فاطمہؓ کا بھی وقتِ وصال آن پہنچا۔ ''علامہ ابن اثیرؒ'' نے ''اسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ ''اپنی وفات سے قبل سیدہ فاطمہؓ نے

حضرت اسماءؓ بنت عمیس کو بلا بھیجا اور ان سے فرمایا۔ ''میرا جنازہ لے جاتے وقت پردہ کا پورا خیال رکھنا سوائے اپنے اور میرے شوہر (حضرت علیؓ) کے کسی سے میرے غسل میں مدد نہ لینا۔''

حضرت اسماءؓ نے انہیں بتایا ''یا بنتِ رسول ﷺ میں نے حبش میں دیکھا ہے کہ جنازے کے اوپر کھجور کی شاخیں باندھ کر ایک ڈولے کی صورت بنا لیتے ہیں اور اس پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔''

پھر کھجور کی شاخیں منگوا کر انہیں جوڑ کر اور ان پر پردہ تان کر دکھایا جسے سیدہ فاطمہؓ نے پسند فرمایا اور بعد از وفات ان کا جنازہ اسی طور اُٹھایا گیا۔

☆ **حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وصال:** 13 ہجری میں حضرت ابوبکرؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو وفات سے قبل وصیت کی کہ ان کی میت کو غسل اسماءؓ دیں چنانچہ انہیں بھی غسل حضرت اسماءؓ نے دیا۔ (اصابہ، ج:8، ص:9 بحوالہ ابن سعد)

☆ **حضرت علیؓ سے عقد:** حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت اسماءؓ حضرت علیؓ کے عقد میں آئیں۔ محمد بن ابی بکرؓ اس وقت تین برس کے تھے وہ بھی اپنی والدہ کے ساتھ آئے اور حضرت علیؓ کے آغوشِ تربیت میں پرورش پائی۔

مسحور کن واقعہ: ایک دن عجیب لطیفہ ہوا۔ محمد بن جعفرؓ اور محمد بن ابی بکرؓ اس بات پہ باہم جھگڑ پڑے کہ دونوں میں کس کا باپ افضل تھا اور کون زیادہ معزز ہے۔'' حضرت علیؓ نے دونوں کی بحث سنی تو حضرت اسماءؓ کو متوجہ کیا اور فرمایا ''تم اس جھگڑے کا فیصلہ کرو۔'' حضرت اسماءؓ نے کہا ''میں نے نوجوانانِ عرب میں جعفرؓ سے بڑھ کر اعلیٰ اخلاق کا حامل کسی کو نہیں پایا اور بوڑھوں میں حضرت ابوبکرؓ سے اچھا کسی کو نہیں پایا۔''

حضرت علیؓ نے مسکرا کر فرمایا۔ ''تم نے ہمارے لیے تو کچھ بھی نہیں چھوڑا۔'' (اصابہ، ج:8، ص:9)

☆ **بیٹے کا قتل:** 38 ہجری میں حضرت اسماءؓ کے بیٹے محمد بن ابی بکرؓ مصر میں قتل ہوئے اور مخالفین نے ان کی لاش گدھے کی کھال میں جلائی حضرت اسماءؓ کو خبر ہوئی تو سکتے میں آ گئیں لیکن پھر ضبط سے کام لیا اور مصلیٰ بچھا کر عبادت میں مصروف ہو گئیں۔ (اصابہ، جلد:8 ص:9)

کلاسز کا باقاعدہ آغاز 11 مئی 2015 سے

طالبات کے لیے خوشخبری

18 مارچ 2015 سے داخلہ جاری

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج کا اجراء

علاقہ ونہار میں نظام تعلیم میں ملٹی میڈیا متعارف کروانے والا پہلا ادارہ

کورسز:۔ F.Sc (Pre.Med)، F.Sc(Pre-Eng)، I.C.S.، I.Com، F.A.(I.T.)

نمایاں خصوصیات

تدریس بذریعہ لیکچر سسٹم + ملٹی میڈیا

M.Sc، M.Phil تجربہ کار اساتذہ

ماہانہ ٹیسٹ کا خصوصی انتظام

سٹوڈنٹس کے لیے Presentation اور Saminars کا انعقاد

بورڈ کے امتحانات اور پروفیشنل ڈگری کی منظم اور بھرپور تیاری

ہاسٹل کی سہولت، بہترین Mess، اعلیٰ سکیورٹی اور جنریٹر کی سہولت کے ساتھ

لڑکیوں کی دینی ماحول میں بہترین کردار سازی

گولڈن پیکیج:۔

میٹرک میں 90% سے زائد نمبرز پر مفت تعلیم | 85% سے زائد نمبرز پر نصف فیس | حافظ قرآن کے لیے خصوصی رعایت

صقارہ گرلز سائنس اینڈ کامرس کالج، دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال۔

رابطہ: 0341-0642642، 0332-8384222، 0543-562200

☆ حضرت علیؓ کی وفات: 40ہجری میں حضرت علیؓ نے شہادت پائی۔

وفات: جلد ہی ان کے بعد حضرت اسماءؓ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔(خلاصہ تہذیب،ص:488)

اولاد: حضرت جعفرؓ سے محمد، عبداللہ، عون، حضرت ابوبکرؓ سے محمد اور حضرت علیؓ سے یحییٰ پیدا ہوئے۔(استیعاب، ج:6،ص:725)

فضل وکمال: حضرت اسماءؓ نے حضور ﷺ سے براہِ راست بھی فیض حاصل کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں مصیبت اور تکلیف کے وقت پڑھنے کے لیے ایک دعا بتائی (ریاض النضرہ، ج:2،ص:649)

☆ حضرت اسماءؓ سے 40 احادیث مروی ہیں راویوں میں حضرت عمرؓ، ابوموسیٰ اشعری عبداللہ بن جعفرؓ، قاسم، عروہ، ام عون، فاطمہ بنت علی وغیرہ شامل ہیں۔

☆ حضور ﷺ کو خود اُن سے بھی رغبت تھی اور ان کے بچوں سے بھی۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ جعفرؓ کے بچوں کو دبلا پایا تو فرمایا یہ اتنے دبلے کیوں ہیں؟"

عرض کی "ان کو نظر بہت لگتی ہے۔" فرمایا تو تم جھاڑ پھونک کرو' حضرت اسماء نے ایک منتر بتایا تو فرمایا "یہی سہی" (کیونکہ اس کلام میں شرک کا شائبہ نہ تھا) (مسلم، ج2،ص223)

☆ تعبیر رویا: حضرت اسماءؓ بہت سلیم الفطرت اور زیرک خاتون تھیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے "حضرت اسماءؓ تعبیر رویا میں بھی درک رکھتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اکثر ان سے خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے۔ رضی اللہ عنہا

سادہ ایجوکیشن سسٹم کا مرکزی ادارہ علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج
SIQARAH
صقارہ سائنس کالج
بزرگانِ دین کی سرپرستی بچوں کی سیکورٹی کا اعلیٰ انتظام صاف ستھرا ماحول
داخلہ 2015 برائے جماعت چھٹی تا بارھویں
سپیشل آفر
یکم اپریل سے فسٹ ائیر کی کوچنگ کلاسسز کا مفت آغاز
پری میڈیکل پری انجینئرنگ کمپیوٹر سائنس اینڈ آرٹس گروپ
نمایاں خصوصیات
سیلکشن: امیدوار کا تحریری امتحان، انٹرویو اور میڈیکل پاس کرنا لازم ہے
✔ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کشادہ کیمپس ✔ فیس کم، معیار اعلیٰ، بھائیوں کیلئے فیس میں خصوصی رعایت اور میرٹ اسکالرشپ
✔ مستعد اور تجربہ کار اساتذہ ✔ نظم وضبط اور اسلامی شعائر کی پابندی
داخلہ جاری ہے
✔ کھیلوں کے وسیع وعریض میدان ✔ والدین کو sms کے ذریعے حاضری اور امتحانی نتائج کی فوری اطلاع
پرنسپل: ملک اختر حسین ایم فل کیمسٹری۔ بی ایڈ۔ ایم ایڈ
ہاسٹل کی سہولت موجود ہے
صقارہ سائنس کالج دار العرفان منارہ ڈاکخانہ نورپور ضلع چکوال
For more Info: www.Siqarahedu.com Mob: 0313-6919797 Ph: 0543-562222

آپؓ کا نام مبارک عبداللہؓ تھا، آپؓ کے والد ماجد کا نام عثمانؓ اور کنیت ابو قحافہؓ تھی۔ مگر اُس زمانے کے دستور کے مطابق کنیت ہی زیادہ مشہور تھی۔ آپؓ کی والدہ ماجدہ کا نام سلمٰیؓ تھا۔ مگر وہ بھی اپنی کنیت اُم الخیر سے زیادہ پکاری جاتی تھیں۔ آپؓ کی کنیت ابو بکرؓ اور لقب صدیق تھا۔ آپؓ کا شجرہ مبارک چھ پشت پیچھے نبی اکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے۔

اسلام سے قبل کے حالاتِ زندگی:

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ولادت 513ھ میں ہوئی۔ رسول ﷺ سے ڈھائی سال چھوٹے تھے۔ شروع ہی سے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ فصاحت و بلاغت میں کمال رکھتے تھے۔۔ گفتگو ایسے خوبصورت اور عمدہ انداز میں فرماتے کہ سننے والے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے۔ علم انساب (لوگوں کے خاندان اور قبیلوں کا علم تفصیلی طور پر جاننا) کے ماہر تھے۔ شعر و شاعری میں بھی دلچسپی فرماتے اور بڑے بڑے شاعروں کے مقابلے میں شعر کہتے۔ جہاں تک علم انساب کا تعلق ہے، یہ ایک بہت بڑا علمی مرتبہ تھا جو آپؓ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا۔ اس علم کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے محنت کر کے اور زیادہ وسیع کر لیا تھا۔ آپؓ خواب کی تعبیر دینے کا علم بھی جانتے تھے۔ اسلام کے ظہور سے پہلے بھی آپؓ اپنی پرہیزگاری، رحمدلی، سچائی اور امانت داری میں مشہور تھے، تب بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کو سودی کاروبار، جوئے اور شراب سے نفرت تھی اور آپؓ کو تب بھی بُت پرستی سے کراہت محسوس ہوتی تھی جب تقریباً چند نفوس کے سوا سارا معاشرہ ان برائیوں میں مبتلا تھا۔

آپؓ شروع ہی سے بے حد نرم دل تھے، کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اکثر اوقات دوسروں کے امداد کے لیے کہے بغیر ہی اپنی جان پر تکلیف اٹھا کر، اپنا مال خرچ کر کے اور اپنا قیمتی وقت صرف کر کے لوگوں کے کام کر دیا کرتے تھے۔

قبول اسلام:

حضرت ابو بکر صدیقؓ آپ ﷺ سے صرف ڈھائی سال چھوٹے تھے اور طبیعت میں بھی نیکی اور پرہیزگاری تھی اس لیے بچپن ہی سے حضرت محمد ﷺ سے آپؓ کا محبت اور دوستی کا گہرا رشتہ تھا پھر جب رمضان المبارک کی ایک بہترین رات اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر غارِ حرا میں پہلی بار وحی نازل فرمائی اور حکم دیا کہ نبوّت کے اِن ابتدائی دنوں میں اسلام کی دعوت صرف خاص لوگوں کو پوشیدہ طور پر دیں، تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے سامنے رکھی اور وہ مسلمان ہو گئیں۔ مردوں میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، بچوں میں حضرت علیؓ اور غلاموں میں حضرت زیدؓ کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی اور یہ سب خوش قسمت حضرات فوراً ہی اسلام کی دعوت قبول کر کے مسلمان ہو گئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ایمان لانے کے فوراً بعد اپنے دوستوں کا خیال آیا اور آپؓ سے یہ برداشت نہ ہو سکا کہ اُن کو اسلام کی طرف بلانے میں تھوڑی سی بھی دیر کی جائے۔ آپؓ فوراً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت عبیدؓ بن زید اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کے پاس باری باری تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی، جسے اُن حضراتؓ نے فوراً قبول کر لیا۔ کچھ عرصہ ہی میں مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی۔ لیکن چونکہ کفار اُن لوگوں پر جن کے بارے میں انہیں پتہ چل جاتا کہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں بہت سختیاں اور ظلم کر رہے تھے اس لیے بہت سے لوگ اسلام قبول کرنے کے باوجود خود کو ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ ان حالات میں لوگوں کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرنا اور کھلم کھلا لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینا آسان کام نہیں تھا

لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ اس کام میں پوری طرح نبی اکرم حضرت محمد رسول ﷺ کے دست و بازو بنے رہے اور کوشش کرتے کہ ہر جگہ آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی قوم کے کفر و شرک کی وجہ سے بہت رنجیدہ تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام کا نور اور روشنی ہر شخص کے دل تک پہنچ جائے اور ہر شخص اسلام کی خوبیوں کو جان جائے اور کفر کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کی روشنی اور نور میں داخل ہوجائے۔ چنانچہ آپؓ نے ایک دن حضور اکرم ﷺ سے اجازت لی اور ایک چھوٹا سا جلسہ بلا کر اسلام کی خوبیاں بیان فرمانے لگے۔ کفارِ مکہ جو اپنے کفر و شرک کی وجہ سے کوئی اور بات سننے کو تیار نہیں تھے، وہ لوگ غصے سے بے قابو ہو کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بے تحاشہ مارنے پیٹنے لگے۔ آخر کچھ لوگوں نے بڑھ کر بڑی مشکل سے آپؓ کو اُن سے چھڑوایا اور آپؓ کے گھر پہنچایا۔ آپؓ کی والدہ ماجدہ حضرت اُم الخیر (جو ابھی اسلام نہیں لائی تھیں) اپنے بیٹے کو اس زخمی حالت میں دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئیں اور آپؓ کو سمجھانے لگیں کہ آپؓ آئیدہ ایسا نہ کریں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں اسلام کی خوبیوں اور کفر پر مرجانے والوں کے عذاب کے متعلق بتایا اور یہ بھی بتایا کہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں، اُن کا اب فرض ہے کہ وہ دوسروں کو بتائیں اور اسلام کی طرف دعوت دیں۔ حضرت اُم الخیر کے دل پر بیٹےؓ کی باتوں کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کو لے کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالی میں پہنچیں اور اسلام قبول کرلیا۔ آپؓ کے والد ماجد حضرت ابوقحافہؓ نے فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا، لمبی عمر پائی اور حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں اُن کا انتقال ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ مکہ کے کھاتے پیتے تاجروں میں سے تھے۔ آپؓ نے بہت سے غلاموں اور لونڈیوں کو نقد ادا کر کے اُن کے مالکوں کے ظلم و ستم سے آزاد کروایا۔ ایک دن آپؓ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ کان میں سردار اُمیہ کی آواز آئی۔ وہ اپنے حبشی غلام حضرت بلالؓ کو نہایت سنگدلی سے ماررہا تھا کیونکہ اُسے حضرت بلالؓ کے اسلام قبول کرنے کا علم ہوگیا تھا۔ آپؓ نے اُس لمحے حضرت بلالؓ کی نقد قیمت ادا کر کے اُنؓ کو ظالم مالک کے ظلم و ستم سے آزاد کروادیا۔

✿✿✿✿

بقیہ صفحہ نمبر 50 سے آگے

تواضع کے بیان میں چند بزرگانِ دین کے اقوال یہ ہیں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ تواضع یہ ہے کہ تو باہر جائے اور جسے دیکھے اسے اپنے سے افضل جانے۔ حضرت مالک ابن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد کے دروازے پر پکارے کہ اے لوگو تم میں جو سب سے بدتر ہے وہ باہر آئے تو میں سب سے پہلے باہر نکل آؤں گا میرے آگے کوئی شخص خوشی سے نہ ہوگا۔ حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جب یہ قول سنا تو کہنے لگے کہ مالک کی بزرگی اسی سے ہے۔ ایک شخص حضرت شبلی رحمۃ تعالیٰ کے سامنے آیا حضرت شبلیؒ نے اپنی عادت کے موافق اس سے پوچھا، "ما انت"، یعنی تو کیا چیز ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں وہ نقطہ ہوں جو حرف یا کے لگایا ہو یعنی اس سے اتر کر کوئی چیز نہیں۔ حضرت شبلی نے فرمایا اَبَادَ اللہُ شَاھِدَکَ یعنی خدا تجھے تیرے سامنے سے اُٹھائے یعنی مقام عالی عطا فرمائے تو نے خود کو اخیر جگہ پر رکھا۔ ایک بزرگ نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا عرض کی مجھے کچھ نصیحت فرمائیے فرمایا کہ ثواب آخرت کے واسطے فقیروں کے سامنے امیر کی تواضع کیا اچھی چیز ہوتی ہے اور فضل خدا پر بھروسہ کر کے امیروں کے ساتھ فقیروں کا تکبر اس سے بھی بہتر ہے۔ حضرت یحییٰ ابن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ مرد کریم جب پارسا ہوتا ہے تو فروتن ہوجاتا ہے اور کمینہ اور سفیہہ جب پارسا ہوتا ہے تو اس میں تکبر پیدا ہوجاتا ہے۔ حضرت بایزید قدس سرہ کہتے ہیں کہ بندہ جب کسی کو اپنے سے بدتر جانتا ہے تب تک متکبر ہے۔ حضرت جنید قدس سرہ کہتے ہیں کہ بندہ جب تک کسی کو اپنے سے بدتر جانتا ہے تب تک متکبر ہے۔ حضرت جنید قدس سرہ نے ایک دن جمعہ کی مجلس وعظ میں کہا کہ اگر حدیث شریف میں یہ نہ آیا ہوتا کہ اخیر زمانہ میں قوم کا سردار وہ شخص ہوگا جو ان سب میں کمتر ہو تو میں مجلس میں تمہارے سامنے وعظ کہنا روا نہ رکھتا۔ حضرت جنید قدس سرہ کہتے ہیں کہ اہل توحید کے نزدیک تواضع تکبر ہے یعنی تواضع وہ ہے کہ آدمی خود کو اتارے جب اتارنے کی حاجت ہوگی تو جب تک اتارے گا تب تک آدمی نے خود کو مرتبہ عالی پر رکھا ہوگا۔ جب آندھی آتی یا بادل گرجتا تو حضرت عطائے سلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ حاملہ عورت کی طرح اپنا پیٹ پکڑے پکڑے پھرتے اور کہتے کہ یہ آفت جو خلق پر آیا چاہتی ہے سب میری شومی ہے۔ کچھ لوگ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے، جا کر فخر کرنے لگے انہوں نے فرمایا کہ میری ابتداء تو نطفہ ہے اور انتہا ایک مردار، پھر ترازو کے پاس لے جائیں گے اگر میری نیکی کا پلہ بھاری ہوگا تو میں بزرگ ہوں ورنہ ذلیل اور کمتر ہوں۔ (جاری ہے)

تکبر اور عجب کے علاج کے بیان میں

"کیمیائے سعادت" سے ماخوذ
ترجمہ: مولانا فخر الدین احمد صدیقی
تصنیف: امام الغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اے برادر اس بات کو معلوم کر کہ تکبر اور خود کو بزرگ جاننا بری خصلت ہے اور حقیقت میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ خصومت ہے کیونکہ بڑائی اور بزرگی اسی کو سزاوار ہے۔ پس اسی وجہ سے قرآن شریف میں جبار اور متکبر آدمی کی مذمت بتکرار ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (المؤمن: 35) ترجمہ: اللہ اسی طرح مہر کر دیتا ہے تکبر کرنے والے، جبر کرنے والے کے دل کے اُوپر۔ اور فرمایا ہے خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (ابراہیم: 15) ترجمہ: اور خراب ہوا ہر جبر کرنے والا۔ اور فرمایا اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ (المؤمن: 27) ترجمہ: تحقیق کہ پناہ مانگی میں نے اپنے اور تمہارے پروردگار سے ہر غرور کرنے والے سے جو یقین نہیں رکھتا قیامت کے دن کا۔ اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس دل میں رائی برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا اور فرمایا ہے کہ جو شخص خود کو بڑا جاننے کی عادت ڈالتا ہے اس کا نام متکبروں میں لکھا جاتا ہے اور جو عذاب متکبروں کو ہوتا ہے وہی اسے بھی ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے دیو، پری، پرند، آدمی سب سے حکم فرمایا کہ باہر نکلو۔ دو لاکھ آدمی اور دو لاکھ جن جمع ہوئے۔ ہوا نے انہیں لیا اور آسمان تک لے گئی حتیٰ کہ انہوں نے فرشتوں کی تسبیح سنی اور وہاں سے زمین پر لائے حتیٰ کہ قعر دریا میں پہنچے پھر ایک آواز آئی کہ اگر ایک ذرہ بھی کبر سلیمان کے دل میں ہوتا تو ہوا میں لے جانے کے قبل اسے بھی میں زمین کے اندر پہنچا دیتا اور رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ متکبر لوگوں کا قیامت کے دن چیونٹی کی صورت پر حشر ہوگا اس ذلت کے سبب سے جو انہیں حق تعالیٰ کے سامنے ہوگی لوگوں کے پاؤں کے نیچے پڑے ہوں گے اور فرمایا ہے کہ دوزخ میں ایک غار ہے اسے ہب ہب کہتے ہیں اللہ تعالیٰ گردن کشوں اور متکبروں کو اس غار میں ڈالے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس گناہ کو عبادت مفید نہیں ہوتی وہ کبر ہے۔

حضرت سلطان الانبیا علیہ افضل الصلوٰۃ والثنا نے فرمایا کہ جو شخص کپڑا زمین پر لٹکاتا ہوا تکبر اور فخر سے چلتا ہے حق تعالیٰ اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں اور فرمایا ہے کہ ایک بار ایک شخص ناز سے ٹہلتا تھا اور اچھے کپڑے پہنے تھا اور خود کو دیکھتا تھا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اسے زمین کے اندر دھنسا دیا اور اب تک دھنستا چلا جاتا ہے اور قیامت تک چلا جائے گا اور فرمایا ہے کہ جو شخص خود کو بڑا جانے اور چلنے میں ناز سے قدم اٹھائے وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کو اپنے اوپر غصہ میں دیکھے گا۔ حضرت محمد ابن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بیٹے کو ناز سے ٹہلتے دیکھا اسے آواز دی اور کہا جانتا ہے کہ تو کون ہے تیری ماں کو تو میں نے دو سو درہم کو مول لیا تھا اور تیرا باپ ایسا ہے کہ مسلمانوں میں اس کے ایسے آدمی جتنے کم ہوں بہتر ہے۔ حضرت مطرفؒ نے مہلب کو دیکھا کہ ناز سے ٹہلتے ہوئے چلتے ہیں کہا اے بندۂ خدا، خدا ایسی چال کو دشمن رکھتا ہے۔ کہا، تم مجھے نہیں جانتے۔ فرمایا جانتا ہوں پہلے تو تو ناپاک پانی تھا آخر کو مردار رسوا ہوگا درمیان میں نجاستوں کا باربردار رہے۔

تواضع کی فضیلت کا بیان

رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے فروتنی کی حق تعالیٰ نے اس کی عزت بڑھا دی اور فرمایا ہے کہ کوئی ایسا نہیں کہ اس کے سر پر ایک لگام دو فرشتوں کے ہاتھ میں نہ ہو وہ جب فروتنی کرتا ہے تو فرشتے اس لگام کو اوپر کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بار خدایا! اسے سربلند رکھ اور جب تکبر کرتا ہے تو لگام نیچے کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بار خدایا! اسے سرنگوں رکھ اور فرمایا ہے کہ نیک بخت وہ شخص ہے جو عاجز نہ ہو اور فروتنی کرے اور وہ مال دے جو گناہ سے نہ جمع کیا ہو اور بے چاروں اور عاجزوں پر رحم کرے اور حکیموں اور عالموں سے مخالطت رکھے۔ حضرت ابوسلمہ مدینیؒ اپنے دادا سے حکایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ ایک دن جناب سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ میرے گھر مہمان تھے اور آپ

نے روزہ رکھا تھا روزہ افطار کرنے کو آپ کے سامنے دودھ کا ایک قدح میں نے حاضر کیا اس میں شہد پڑا تھا آپ نے جب چکھا اور میٹھا پن معلوم ہوا پوچھا یہ کیا ہے میں نے عرض کی یا حضرت اس میں مَیں نے شہد ڈالا ہے آپ نے ہاتھ سے رکھ دیا اور نہ پیا اور فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے لیکن جو شخص خدا کے واسطے فروتنی کرتا ہے حق تعالیٰ اسے سربلندی عنایت فرماتا ہے اور اگر تکبر کرتا ہے تو حق تعالیٰ اسے حقیر کر دیتا ہے اور جو شخص بے اسراف کے خرچ کرتا ہے حق تعالیٰ اسے بے نیاز رکھتا ہے اور جو شخص اسراف کرتا ہے حق تعالیٰ اسے محتاج رکھتا ہے اور جو خدا کی یاد بہت کرتا ہے حق تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے۔ ایک بار ایک فقیر بیمار دل فگار نے سلطان دارین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے حجرہ منورہ کے درانور پر سوال کیا۔ حضرت محمد ﷺ خاصہ نوش فرماتے تھے۔ اسے بلالیا سب لوگوں نے خود کو اس سے سمیٹا۔ رسول مقبول ﷺ نے اسے اپنی ران پر بٹھالیا اور فرمایا کھاؤ۔ اہل قریش میں سے ایک شخص نے اس کی تحقیر کی اور کراہت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسی بیماری میں مبتلا ہو کر مرا۔

رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ میں رسول اور بندہ رہوں خواہ نبی اور بادشاہ رہوں۔ میں نے توقف کیا ملائکہ میں سے میرے دوست جبرئیل تھے ان کی طرف میں نے دیکھا انہوں نے کہا کہ آپ فروتنی کیجئے میں نے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی جناب میں عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ رسول اور بندہ رہوں۔ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میں اس شخص کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری بزرگی کی تواضع کرے اور میرے بندوں کے ساتھ تکبر نہ کرے اور اپنے دل میں خوف رکھے۔ اور تمام دن میری یاد میں بسر کرے اور خود کو میرے واسطے خواہشوں سے باز رکھے۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ کرم تقویٰ میں ہے اور شرف تواضع میں اور تونگری یقین میں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا میں جو اہل تواضع ہیں وہ نیک بخت ہیں کہ قیامت میں وہ صاحب منبر ہوں گے اور جو شخص دنیا میں لوگوں کے درمیان صلح کرائیں فردوس ان کا مقام ہوگا اور وہ لوگ نیک بخت ہیں جن کا دل دنیا سے پاک ہے کہ حق تعالیٰ کا دیدار ان کا ثواب ہے اور رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے جس کو نعمت اسلام عنایت فرمائی اور اس کی صورت اچھی بنائی اور اس کا حال ایسا نہ کیا کہ اس سے ننگ و عار رکھنا چاہیے اور ان صفتوں کے ساتھ اسے فروتنی نصیب کی وہ خدا کے مقبولوں میں سے ہے۔ ایک شخص کے چیچک نکلی تھی وہ آیا لوگ کھانا کھا رہے تھے وہ جس شخص کے پاس بیٹھتا وہ شخص اس کے پہلو سے اٹھ جاتا رسول مقبول ﷺ نے اسے اپنے پاس بٹھالیا اور فرمایا کہ میں اس شخص کو نہایت دوست رکھتا ہوں جو حاجت کی چیزیں ہاتھ میں لے کر اپنے گھر جائے تاکہ اس کے گھر والوں کے واسطے روزی ہو اور اپنے ہاتھ میں لے جانے سے اس شخص کا کبر ٹوٹے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے آپ نے فرمایا کیا سبب ہے کہ میں تم میں ایمان کی حلاوت نہیں دیکھتا انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ایمان کی حلاوت کیا چیز ہے فرمایا کہ تواضع۔ اور فرمایا ہے کہ جب فروتن کو دیکھو تو فروتنی کرو اور جب متکبر کو دیکھو تو تکبر کرو تاکہ اس کی حقارت اور ذلت ظاہر ہو۔ تواضع کے باب میں بزرگوں کے اقوال یہ ہیں کہ ام المومنین حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ تم لوگ فاضل ترین عبادت سے غافل ہو وہ تواضع ہے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ تواضع اس کا نام ہے کہ تو حق بات قبول کرلے جس کسی سے ہو اگرچہ وہ لڑکا ہو، جاہل ترین خلق ہو۔ حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ جو شخص تجھ سے دنیا کم رکھتا ہو تو خود کو اس سے مرتبہ میں گھٹ کر رکھے تاکہ وہ معلوم کرلے کہ دنیا زیادہ ہونے کے سبب سے تو اپنی کچھ قدر نہیں جانتا اور جو شخص تجھ سے زیادہ دنیا رکھتا ہو اس سے خود کو بالاتر رکھے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ دنیا کے سبب سے تیرے نزدیک اس کی کچھ قدر نہیں۔

حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ میں جب تجھے کوئی نعمت بھیجوں تو اگر تواضع سے اس کا استقبال کرے گا تو تمام و کمال نعمت تجھے عنایت کروں گا۔ حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے خلیفہ ہارون رشید سے کہا کہ یا امیر المومنین تیری فروتنی تیری بزرگی کی حالت میں تیری بزرگی سے شریف تر ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ آپ نے بہت خوب بات کہی، پھر کہنے لگے یا امیر المومنین حق سبحانہ تعالیٰ جسے مال، جمال، حشمت عطا فرمائے اور وہ شخص مال میں اوروں کی غم خواری کرے اور حشمت میں تواضع کرے اور جمال میں پارسائی تو حق سبحانی تعالیٰ اپنے دفتر میں اس کا نام خالصوں میں لکھتا ہے۔ خلیفہ ہارون رشید نے قلم دوات منگوا کر یہ لکھ لیا۔ حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی مملکت میں صبح کو تونگروں کی احوال پرسی کرتے پھر محتاجوں کے ساتھ بیٹھتے اور فرماتے کہ ایک مسکین مسکینوں کے ساتھ بیٹھا۔ (بقیہ صفحہ نمبر 48 پر)

کیلا (Banana)

حکیم عبدالماجد اعوان سرگودھا

پیچش (Dysentry):۔

کیلے کے ساتھ تھوڑا سا نمک ملا کر کھانا پیچش کے لیے انتہائی مفید ہے جدید ریسرچ کے مطابق نمک ملا ہوا کیلا شدید اور پرانے پیچش کا شافی علاج ہے پکے ہوئے کیلے کو اچھی طرح کوٹ کر کریم کی صورت میں بنا کر استعمال کرنا بچوں کے پیچش میں انتہائی مفید ہے۔ کیلے کی کچی پھلی خون کے دست بند کرنے میں انتہائی مفید ہے۔

جوڑوں کے درد:۔

پکا ہوا کیلا جوڑوں کے امراض میں فائدہ دیتا ہے تین چار دن تک لگاتار مریض کو آٹھ سے نو کیلے روزانہ استعمال کرنے سے جوڑوں کے درد میں کمی لاتا ہے۔

ہیضہ:۔

جڑ کیلا، کالی مرچ، زیرہ سفید، پودینہ خشک برابر وزن کو رس کیلا میں بقدر نخود گولیاں بنا کر صبح شام ایک ایک گولی استعمال کرنے سے ہیضہ کی مرض جاتی رہتی ہے۔

کالی کھانسی:۔

پھٹکری سفید ایک تولہ کو توے یا کڑاہی پر رکھ کر آگ پر رکھیں اور دس تولہ کیلے کا رس کو لے کر اس کے اوپر قطرہ قطرہ ٹپکاتے رہیں یہاں تک کہ دس تولہ رس اس میں جذب ہو جائے اس کے بعد اس سے نیچے اتار کر ٹھنڈا ہونے پر باریک پیس کر محفوظ کر لیں ایک برس کے بچے کو ایک رتی، دو برس کے بچے کو دو رتی، اور تین برس کے بچے کو تین رتی ہمراہ عرق اجوائن استعمال کروائیں مرض کی شدت کے لحاظ سے دن میں ایک یا دو دفعہ استعمال کرانا کالی کھانسی کے لیے انتہائی مفید ہے۔

خصوصیات:۔

بدن کو فربہ کرتا ہے سینے میں ملائمت پیدا کرتا ہے گردے کی لاغری کو ختم کرتا ہے خشک کھانسی اور حلق کی خشونت سوزش کو مفید ہے۔ دست بند کرتا ہے مثانہ کی جلن کو ختم کرتا ہے۔ پیشاب کی رکاوٹ کو دور کرتا ہے اور اس کے علاوہ اس میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

1۔ خربوزے کے بیجوں کے ساتھ پانی میں پیس کر چہرے پر لگانے سے چھائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

2۔ کیلے کے درخت کی جڑ کو باریک پیس کر استعمال کرنا پیٹ کے کیڑوں کو ختم کرتا ہے

3۔ اگر کسی شخص کو سانپ ڈس لے اس کے درخت سے تازہ پانی نکال کر دو پیالے استعمال کرنے سے اس کا زہریلا اثر فوراً دفعہ ہو جاتا ہے۔

4۔ اس کی کچی پھلی خواتین کی مرض لیکوریا میں انتہائی مفید ہے اس کے علاوہ کثرت احتلام اور جریان کو ختم کرتا ہے۔

5۔ اگر کوئی جسم کا اعضاء جل جائے تو کیلے کی پھلی کو متاثرہ جگہ پر لگائے تو اس کی جلن ختم ہو جاتی ہے۔

6۔ اس کے پتوں کی راکھ کو نمک اور شہد میں ملا کر چٹانے سے کھانسی اور بلغم کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

7۔ کیلا جسم میں آئرن کی کمی کو پورا کرتا ہے یہ خون میں سرخ خلیوں، (Haemoglobin) کی تعداد کو بڑھاتا ہے۔

8۔ کیلا گردوں کی مرض کے لیے بھی مفید ہے کیوں کہ اس میں لحمیات اور نمکیات کم اور کاربوہائیڈریٹ کی مقدار زیادہ ہوتی ہے یہ گردوں کے ناکارہ ہونے کی صورت میں مفید ہوتے ہیں اس صورت میں تین چار دن کے لیے روزانہ آٹھ سے نو کیلے استعمال کرنے چاہئیں۔

9۔ تپ دق (Tuberculosis) کے لیے کیلے کے پودے کا رس یا پکا ہوا کیلا اس میں معجزاتی فوائد پیدا کرتا ہے۔

10۔ کیلے کا پانی گردے، پتے اور (Prostate) غدود کی پتھریوں کو دور کرنے میں کارگر ثابت ہوتا ہے۔

11۔ السر کا مریض دودھ اور کیلے کا ملک شیک استعمال کریں اس کے درد کو تسکین اور تیزابیت میں کمی پیدا ہوتی ہے۔

(جاری ہے)

been given to it as a tool for its temporary stay in this world. In the Hereafter both will stay together, forever, and enjoy the material as well as spiritual pleasures. If the person dies as a nonbeliever, unfortunately, then both will suffer the torment in Hell together.

If a person dies as a believer then Allah (SWT) may forgive all his follies and send him to Paradise or may punish him for his sins the matter rests with Allah(SWT).

Ruh is itself an entity which is answerable; it was given a physical body with which it could relate to this physical world Prophets(AS) were sent unto him with Divine Books for guidance and they connected him to the Hereafter. Now if he succeeds in building his Hereafter he is indeed lucky otherwise he will have to bear the eternal punishments.

Q - 2 Will the children also go to Jannah? What will be the age of these children? Will the infants also be included in this group and will these remain permanently with the one's they serve or will be changed for a while.

Ans-2 The Exegetical scholars have two opinions on this Quranic Verse. One group opines that these children will be original natives of Jannah who have been created in Jannah to serve the people of Jannah. They will have the same age, as created. The second group opines that the infants born to disbelievers, who die as minors, will not be sent to Hell as they did not live to attain maturity (before which one is not bound to answer for not accepting faith.) However since they will have no faith or good deeds to be able to go to Jannah, they will be appointed as attendants or servants for the residents of Jannah. They will remain at the same age and will continue to serve. Even if they had died as an infant, in Jannah, they will be of the same age and stay as such. To be young or old is a physical feature of the physical body in this world while the Ruh (spirit(is mature and when these children will be sent to Jannah they will be kept by Allah (SWT(in the age He chooses. The Quran tells us

Sura takwir aya-8 وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ

'And when the female(infant) buried alive is questioned'

That when a new born girl, who was buried alive, will be questioned by Allah (SWT) on the Day of Judgment, as to why she was buried alive. Now this proves that she will be an adult with a mature level of understanding, that is why she will be able to answer. She will be asked

Sura takwir aya-9 بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ

'For what sin was she killed What had been your sin to earn such a punishment She will plead innocence and reply that it was out of her parent's arrogance, who thought having a daughter was a matter of disgrace for them. This proves that Ruh is mature and in the Hereafter the Ruh of children are also mature. Hence it is upto Allah (SWT), He will give these children a status of youthful servants, as He chooses.

These are the two opinions stated in this respect. These servants will serve the residents of Jannah in their residences and congregations. As for how long will these servants serve a particular person is entirely up to Allah (SWT). He decides, as to who lives, where, and for how long. Whether Allah (SWT) decides to appoint a servant permanently to serve a person or keeps him on rotation, it is His decision. If Allah(SWT) allows you to enter Jannah, you will take service from them. So why worry about these issues as to what will be their tenure .

an alloy can be made of things which have similar properties. If you try to weld together a utensil made of clay with a utensil made of copper, it will not be possible. Only metals can be welded together or materials of similar genre will combine. It is the marvel of Allah's (SWT) Power that He(SWT) united two creations of totally opposite qualities in a human being; one from the Realm of Command and one from dust, the lowest of all materials. Once He has united them now they both are answerable to Him. If a man was given only his physical body and had been made accountable in the Hereafter, then the knowledgeable could have questioned that how could a man strive for something for which he has been given no knowledge. Hereafter are matters beyond the physical body so how mankind could be held accountable in a Realm which is beyond their sphere of knowledge. The physical body can only be acquainted with physical pleasures and it instantly recognizes them. It understands worldly matters easily whereas for knowing the Hereafter one needs the Ruh(spirit) which originates from the Realm of Command. Ruh is mature since its creation ;it does not have stages of development like the physical body. The human body develops gradually and it's stages of being a minor and then a major depends on its mental development. Therefore when a child becomes an adult he becomes answerable for his deeds. Now there are two forces within a person; a physical body which pulls him towards material pleasures and a Ruh which is eternal and seeks eternal pleasures. Once a person becomes mature and is a believer than his obedience to Allah (SWT) in every action is ranked as worship. The obligatory worship and the superogatory worship, recitation of Quran or Zikr as well as all actions done in obedience to ALLAH(SWT) and His Prophet(SAWS) become worship and thus strengthen the Ruh and makes it's vision more stronger. Thus the Hereafter becomes more unveiled before him. If a person is a nonbeliever, when he attains maturity, it tantamounts to death for the Ruh, yet it is Allah's (SWT) extreme Magnificence that He may grant the capacity to him at any stage in life to become a believer. This will give a new life to the Ruh and his act of accepting the faith is so appreciated by Allah (SWT) that He forgives all the past sins committed by him. If a person does not perform good deeds, does not eat lawfully earned food and associates himself with evil company, then his activities may give some pleasure to his physical body but it certainly imposes layers of darkness upon the Ruh. When this condition intensifies the darkness overwhelms the Ruh, the person becomes oblivious to Hereafter and more inclined towards the world. If both Ruh and body are kept at least at par then a person does not indulge in heresy and evil. If the Ruh becomes dominant then a person pays more attention towards his Hereafter and evaluates his worldly pursuits keeping the Hereafter in view. He weighs each action as to what results would it bear on his eternal life. The body and Ruh are both equally answerable as a human being is a blend of both. Nobody calls only the body as 'human being .'In fact the righteous scholars opine that when the term 'human being' is said it will in essence refer to the 'Ruh .'When a person dies nobody calls the corpse as father, brother or son etc; they only refer to it as a corpse. They do not say let us bury the father, brother, but they say let us bury the corpse. So the real human being is the Ruh while this body has

Questions and Answers

From Translated speech of

Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

5, July, 2014.

Q-1 In this worldly existence the Ruh is dominated by the physical body and stays in the background while the body acts on the frontline. If condemned to Hell the torment will be afflicted on both Ruh and body. Please explain how Ruh which is from the Realm of Command (عالم امر) be subjected to eternal punishment in Hell

Ans-1 It is said

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

Ruh is from the Command of the Rabb (Provider, Sustainer), but it itself is not the Command of the Rabb. There are two Realms; Realm of Creation (عالم خلق) and the Realm of Command. (عالم امر) The Realm of Creation includes the Skies, the Empyreans (عرش) the Guarded Tablet (لوح محفوظ) the Paradise (جنت) the Hell (جہنم) and Allah's(SWT) Seat of Authority (کرسی), Although they belong to the Realm of Creation and are Allah's creation but Allah(SWT) has exempted them from being destroyed with the rest of the Creation. The Realm of Command enjoys eternity as Commanding is the Divine Attribute and the Realm which is under a Divine Attribute becomes eternal, immortal too.

As far as the creation of Ruh is concerned even the Prophets (AS) before the Holy Prophet(SAWS), did not elaborate on this topic. The Jewish scholars of Medina knew that the earlier Prophets(AS) had kept silence over this question pertaining to the creation of Ruh. They instructed the polytheists of Makkah to put forth this query to the Prophet (SAWS .(The answer was revealed unto the Prophet(SAWS)

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

"And they ask you, O Muhammad (SAWS) concerning the Ruh. Say: The Ruh(spirit) is by command of my Lord. And of Knowledge, you(mankind) have been given only a little)."Surah Bani-Israel: 85(Ruh has been created from the Realm of Command and the knowledge regarding how it is created is beyond human physical mind. The human mind and its faculties can only understand the process of genesis in this material world. However when it comes to how the Ruh was created in the Realm of Command, the Quran suggests that human knowledge is limited and cannot comprehend the unlimited. So for human beings it is sufficient that they believe that the Ruh originates from the Realm of Command.

Allah(SWT) has given mankind the capability and knowledge to explore the Realm of Creation and anyone who makes an effort can achieve it. However man has not been given the capacity to comprehend the Realm of Command. The question as to why Ruh which is from the Realm of Command be subjected to punishment the answer is simple. Ruh is a creation and is accountable, though it is from the Realm of Command but it has been created by Allah (SWT) He(SWT) is the only Creator and everything else has been created by Him.

It is a general rule that a mixture or

On the 20thFebruary, they decided to visit the Plain of Uhad. Passing through the date palm gardens(the buildings in this area were not built then) they arrived at the Jabal al Roomaat. Here, they climbed up to the cave where the Holy Prophet-saws took rest after being injured.

On the 21st February, they went to visit Masjid-e Quba.On the way, they stood at a small Masjid,about which it is said that the first Jum'ah Salah was held there, and with that reference, it is called Masjid-e Jum'ah.Near the Masjid towards the north there was a small platform, where it is said the young girls of the Bani Najjaar sounded the Daff(drum) and read joyful verses to welcome the Holy Prophet saws. At the Masjid-eQuba they offered Nawafil and got a chance to meditate in Maraqbah.

They went towards the south of Masjid-e Quba and close to the Dar-e Kulsoom they saw a domed building. Hazrat Ji rua informed the Ahbab that Hazrat S'ad rua was buried there and he was saying' :The Holy Prophet sawsvisited here every week. That was his saws's routine due to his immense affection for us. Convey my Salaams to my Master saws, when you present yourselves at the Rauza e At har'.

On this occasion Hazrat S'ad-rau turned to a Sathi accompanying Hazrat Ji-rua and said'During your journey while in a dream you asked me the distance to Madinah Tayyebah and I told you'two or three miles'.Hearing this, the Sathi was overcome by tears welling in his eyes and remembered the incident of his dream.

They then went to Masjid-e Shams, saw the date plantations, and on the way back they stopped at the Well of Hazrat Usman rau, about which it is stated that, after the ring with the Seal of the Holy Prophet saws fell in it,the period of tribulations commenced during the reign of Hazrat Usman rau. Those Ahbab, who were blessed with spiritual insight,corroborated the narration.

22nd February was the last day at the Masjid-e Nabvi. It was decided to recite the Holy Quran at the Maqaam-e Suffah,in following the Sunnah of the Ahl-e Suffah rau.Therefore, along with Hazrat Ji rua all the Ahbab sat and completed the recitation of the entire Quran and presented the reward of the recitation to the Holy Prophet saws. After this, when they went to present themselves before the Holy Prophet saws, they presented their farewell Salaam with sobs,sighs and streaming tears. They were leaving Madinah Tayyebah the next day. On the occasion of this parting from the Rauza e At har, as a farewell grant from the Court of the Holy Prophet saws, the entire Quran written on a single page or cloth was pasted on to Hazrat Ji rua's chest. It was said',Its blessings would facilitate the understanding of the Holy Quran, and it would also facilitate the understanding of the Holy Quran for those on whose chest you write Bismillah'.

Ahbab spent the entire day of 23rd February at the coach terminal and finally departed for Jeddah at about 9p.m; they had to keep changing buses on the way,and eventually arrived at Jeddah the next day. Meanwhile,Hazrat Ji-rua spent another two days in Madinah Munawwarah, and arrived in Jeddah by air at about Asr time, on 24th February.

The entire day of 25th was spent at Jeddah, and they embarked on their return journey at about 9p.m. The night of 25-26 February was spent at the new airport that was under construction, and at 5a.m. they boarded the Saudi Airlines flight.They arrived in Karachi by 9a.m. where a throng of Ahbab were waiting to welcome them, but with due regard there were neither welcoming slogans nor heaps of garlands.

Nabvi saws on Friday, 19th February 1971, Hazrat Ji-rua was granted the opportunity to submit some academic queries before our Illustrious Master saws.

The presence in the Court of the Holy Prophet saws, that too in a condition of wakefulness, and then the courage to speak! This is possible only on permission being granted, and if courage is also bestowed, then only can the tongue be stirred to speak! Hazrat Ji rua petitioned our Illustrious Master saws for guidance concerning some academic issues and in return an ocean of knowledge, wisdom, and enlightenment was bestowed on him, but all of it comprehensively, because 'comprehensive speech' is the miracle of our Illustrious Master-saws. This miracle is seen manifested in Spiritual dialogue, as it is seen manifested in the Hadees of the Holy Prophet saws.

Speaking about the start of the conversation, Hazrat Ji-rua states: I asked the Holy Prophet saws a spiritual question regarding the Hadees-e Saqalain.

The Holy Prophet saws said, 'To bond with those persons, who are mentioned in the Hadees, is the equivalent of bonding with the Book and the Sunnah'.

Thereafter, a detailed explanation was granted about a query over the conformity between the words 'AhleBaiti' and 'AhleSunnati' mentioned in the Hadees.

During the conversation Hazrat Ji rua submitted, 'Ya Rasool saws Allah, do other people also come into your august presence spiritually like those of our Silsilah'

The answer was, 'When the Rooh is incapable to separate from the body, how will it reach me'

Hazrat Ji-rua submitted', Ya Rasool saws Allah, I know three or four saints who are named Ghaus and Qutb'.

It was said, 'They are very few.'

The conversation continued for some time, in the end there was a reference to the statement of the Holy Prophet saws, which refers to the deeds of all the Momineen being presented before the Holy Prophet saws on every Monday and Thursday. As an expression of gratitude for Allah-swt's favour, Hazrat Ji rua informed the Ahbab that the Holy Prophet saws had expressed his saws pleasure over Hazrat Ji rua's deeds.

The spiritual dialogue was coming to a close, when the call of the Azaan was heard from the Rauza e At har. Hazrat Ji rua explained that it was Hazrat Bilal-rau. When he rau reached 'HayyaallalFalah' (Come to your Good), the Muazzin of Masjid-e Nabvi also started calling the Azaan. In this manner, the narration of Hazrat S'ad bin Musayyib rau was proved correct that, 'The Prophets, on them be Peace, are alive and they offer their Salah in their graves.'

The Holy Prophet saws instructed Hazrat Ji rua to have the conversation between them written down and published, so that the Deen gets strengthened and the people benefit. Hazrat Ji rua said that there were some other issues as well, about which the Holy Prophet saws instructed': Keep them hidden in your breast'.

After this they went to Jannat-ul Baqii graveyard and presented their respects to Hazrat Sayyedah Fatima tuz-Zahra rau. Hazrat Ji rua submitted:

'O my Mother, we come here to pay our respects at your grave and to send our salutations and peace to you'.

Seeking to acquire beneficence, Hazrat Ji-rua (1)requested permission to ask a few questions.

The reply was, 'Ask, I shall reply.'

(1) This series of questions and answers can be read in Hazrat Ji rua's monumental treatise

Hayat-e-Javidan Chapter 24

A Life Eternal(Translation)

From Previous Month **Fulfilment of theHajj Obligation** Continued

When constant trips to Jeddah for the reservation of seats, and use of every other means to expedite this matter brought no result, the services of the Mo'allim were sought and for this, a hefty fee had to be paid.

On the 10thFebruary, the Ahbab visited the Cave of Saur. The climb to the summit was too steep for Hazrat Ji rua. He went up to the Saur Mountain and after staying there for some time returned to Makkah Mukarramah.Friday fell on the 12thFebruary, and Hazrat Ji rua and the Ahbab went to Tan'eem to adorn the Ihraam and returned to perform the Umrah. On the same day, the Mo'allim informed them that the booking had been taken care of and they would be able to take the 5a.m.flight from Jeddah to Karachi on the 26th of February.

The whole day of 13thFebruary was spent in the Sacred House. It rained heavily on that day,and there was a strong wind. The Sathis who were in Hateem were lucky to get their share of the blessed sprinkle that pours forth from the Meezab-e Rahmat(theSpout of the K'abah).

According to the itinerary they were to depart for Madinah Munawwarah on 14thFebruary, but due to the Mo'allim's apathy in arranging for a taxi,they were delayed for another day. On the 15th after Zohr, they performed the Tawaaf-e Widaa ' and departed for Madinah Munawwarah. Hazrat Ji rua arrived at Madinah Munawwarah on the 15/16 night by air, whereas the other Ahbab arrived at the time of Zohr on the 16th.

It has always been a norm of Hazrat Ji rua,Hazrat Ameer ul Mukarram mza, Ahbab of the Silsilah and the Ahl Allah, that when they sit in Maraqbah before the Holy Prophet saws at his Holy Rauza, they seat themselves towards his saws blessed feet, as this is the demand of the etiquette and respect.The first window in the wall of the Masjid-e Nabvi towards the Bab-e Jibreel, approximately pinpoints this place.In those days adjoining the window on the outside there was a small enclosure with some greenery, where Hazrat Ji rua sat and was granted the honour of presenting some petitions before the Holy Prophet saws.

When Hazrat Ji-rua along with the Ahbab presented themselves during the Maraqbah of Darbaar-e Nabvi-saws(the Court of the Holy Prophet sawt), the Bai'at of Ahbab were renewed in accordance with the directive of the Holy Prophet saws.On this occasion, special awards and certificates were bestowed moreover,envelopes addressed to four Sathis were also granted. Later,Hazrat Ji rua gave the interpretation that all four offices of Qutbiyat had been transferred to the Silsilah.

On the 18th February it was decided to visit the various Islamic historic places in the vicinity of Madinah Munawwarah. They paid a visit to Jabal-e Sal'a, at the foot of which the Trench was dug for the defence of Madinah-tul Nabi saws. They also visited the historic Masajid including Masjid-e Qiblatain, the Well of Hazrat Usman rau and the Mazaar of Hazrat 'Akashah rau.

During the attendance at the Masjid-e

ZikarAllah does not bestow a person with the attributes of Allah (SWT). It makes him bondman of the Creator but not the creator himself. (P:16) Al-Sheikh Ameer Muhammad Akram Awan (MZA)

MONTHLY

Al-Murshid

Shaban / Ramzan 1436h
June 2015

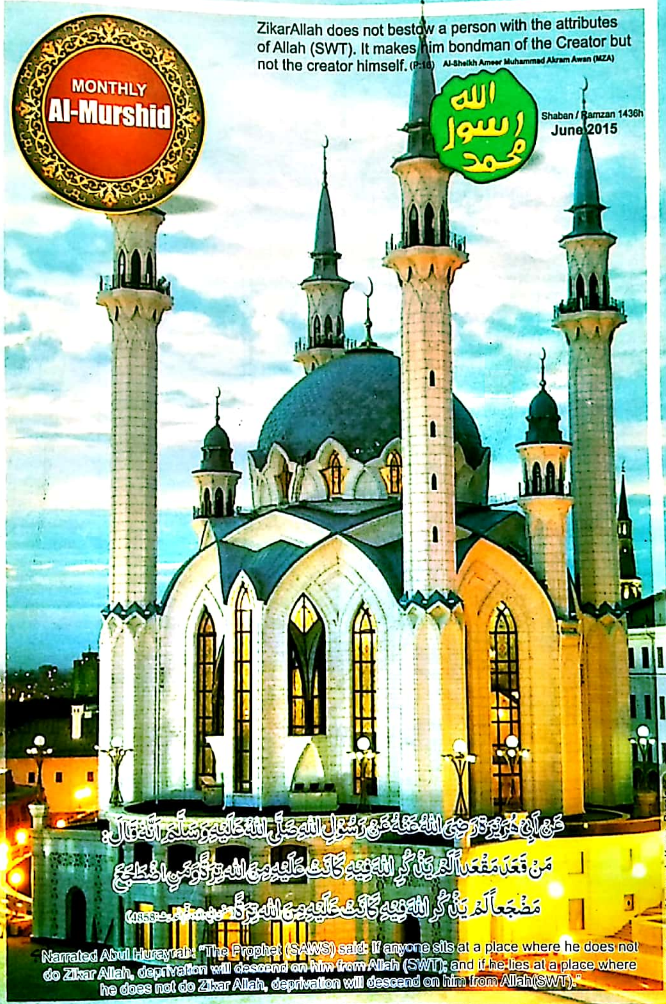

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ:
مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ یَذْکُرِ اللّٰہَ فِیْہِ کَانَتْ عَلَیْہِ مِنَ اللّٰہِ تِرَۃٌ وَمَنِ اضْطَجَعَ
مَضْجَعًا لَمْ یَذْکُرِ اللّٰہَ فِیْہِ کَانَتْ عَلَیْہِ مِنَ اللّٰہِ تِرَۃٌ (4858)

Narrated Abul Hurayrah: "The Prophet (SAWS) said: If anyone sits at a place where he does not do Zikar Allah, deprivation will descend on him from Allah (SWT); and if he lies at a place where he does not do Zikar Allah, deprivation will descend on him from Allah(SWT)."

Qolşärif Mosque in Kazan, Russia

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
17-AWAN SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255